تالیف

حضرت مولانا محمّد اشرف سلیمانی صاحب نوراللہ مرقدہٗ
سابق چیئرمین عربک ڈیپارٹمنٹ پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکیڈمی
اشرف منزل اسلامیہ کالج پشاور

پہلا نمبر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

حضرت پہلے نمبر پر کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن صحت نے اسکی اجازت نہیں دی۔ حضرت حاجی شبیر حسن صاحب نے جب یہ بیان جو حضرت والا کا ہاسٹل نمبر 6 میں بعد از نماز مغرب بتاریخ 16 اپریل 1969 کو ہوا تھا پڑھ کر سنایا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو میرے ساتھ رکھ لیں میں کلمہ پر لکھنے میں اس سے استفادہ کروں گا لیکن مضمون لکھنے سے پہلے حضرت نے دار فنا سے دار بقا کو رحلت فرمائی۔ بعد میں مشورہ ہوا کہ پہلے نمبر کیلئے اس بیان کو ہی من و عن شامل کیا جائے اسلیئے اسکو حسب مشورہ شائع کیا جارہا ہے۔ (نعمان عفی عنہ)

کلمہ پر بیان

خطبہ ماثورہ اور سورہ جمعہ کے شروع کے چار آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا!

میرے عزیزو اور دوستو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جملہ خیریں دے کر مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام کمالات انعامات انوارات بھلائیوں اور خوبیوں کو لے کر آئی جو کہ انسان اپنی استعداد کے لحاظ سے کسی صورت میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ انسان کی ترقیات کا جو اوج کمال ہے یا ترقی کے جس زینہ پر روحانی ومادی طور پر پہنچ سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمام طریقے لے کر آئے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان طریقوں کو فرد کے حیثیت سے یا جماعت وقوم کی حیثیت سے اپنائے گا اللہ تعالیٰ اس پر دینی ودنیاوی ترقیات کے دروازوں کو کھول دینگے۔ پوری کائنات ان کے سامنے جھک جائیگی اور یہ انسان فرشتوں سے اونچا ہوگا۔ پوری مخلوق کی عزت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے برابر نہیں ہوگی۔ مسلمان کمال وعزت والا ہوگا۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے زیادہ سے زیادہ لے گا اور آخرت میں وہ دیا جائیگا کہ نہ

آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل پر اس کا خطرہ گزرا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے ساتھ زمین و آسمان، دنیا و آخرت کے تمام خزانوں کی چابیاں مسلمانوں کے آگے ڈال دی ہیں ۔ خداوند تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو طریقے عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان کو اپنالیں اور ان کی قدر کریں اور ان طریقوں کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے اور ہم یہ یقین کریں کہ تمام کامیابیوں کا راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی برکات کے دروازوں کو کھول دیگا ۔ جب مسلمان غیروں کے طریقوں سے نگاہ ہٹائے، منہ کو موڑ لے اور کلیتاً اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرکے زندگی کا کمال و شرف وعزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں میں سمجھے تو اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کو اس کے سامنے جھکا دے گا

قرآن شریف میں آتا ہے سخر لکم ما فی السموات والارض اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کئے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ آسمانوں سے فائدے حاصل کر سکتے ہو، زمینوں سے حاصل کر سکتے ہو، اللہ کی ساری مخلوقات سے حاصل کر سکتے ہو اگر نگاہ ایک اللہ پر جم گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کو جان لیا ۔ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کو مفتاح الجنۃ کہتے ہیں ۔ مفتاح چابی کو کہتے ہیں یعنی جنت کی چابی مثلاً یہ کمرہ بند ہے اور کمرہ کے اندر دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں اور قیمتی اشیاء بند ہوں اور کمرے کو تالا لگا ہوا ہو اور سوائے اس تالے کے کھولنے کے اس کمرے میں جانے کی اور کوئی صورت نہ ہو اور وہ تالا بغیر چابی کے نہ کھلتا ہو تو ان تمام نعمتوں اور قیمتی اشیاء کا حصول بغیر چابی کے ناممکن ہوگا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک چابی لا الہ الا اللہ کی دی ہے جب

آپ اس کو جنت کے قفل میں لگا دینگے تو قفل کھل جائیگا اور دروازہ کھل جائیگا ۔اور تمام نعمتیں مل جائیں گی ۔ جس طرح کمرے کی نعمتوں کا حصول چابی کے ذریعے سے ہے اسی طرح ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لا الہ الا اللہ حقیقت کے ساتھ آئے اور ہم اس پر یقین اور عمل کرنے والے بن جائیں تو

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ دنیا تمہاری جھولی میں ڈال دینگے آخرت جھولی میں ڈال دی جائیگی اور اس دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا کیا کہنا ، اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہو جائینگے ۔ ان تمام نعمتوں کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور نرے بول نہ ہوں بلکہ اس کی حقیقت موجود ہو ۔ غیر نرے بول بھی بہت قیمتی ہیں لیکن اصل چیز حقیقت و معنیٰ ہے کہ کہنے کے ساتھ یہ یقین ہو کہ ہم خدا کی الوہیت اور اللہ سے ہونے کا اور اللہ سے ملنے کا یقین واقرار کرتے ہیں اور غیر سے انکار کر رہے ہیں ، خدا کے سوا تمام غیر سے زندگی ٹوٹ رہی ہے اور غیر کو اپنے دلوں سے خارج کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دلوں میں بسا رہے ہیں ۔ ہمارا ٹھکانا ، ہمارا مقصود ، ہمارا ملجا وماویٰ اور تمناؤں کا مرکز اور خیروں کے حصول کا ذریعہ بس صرف ایک اللہ ہے ۔ میں ان کے سوا کسی کا طالب نہیں اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑیگی تو اس کے سامنے دامن اور ہاتھ پھیلاؤں گا اور غیر کے آگے ہر گز نہیں پھیلاؤں گا ۔ اگر پھیلا دیا تو عہد ٹوٹ گیا ۔ اے اللہ میں نے ہر ایک سے توڑا اور تجھ سے جوڑا ۔ اے اللہ تجھ ہی سے بنتا ہے اور تجھ ہی سے بگڑتا ہے ۔ عزت تجھ سے ملی گی ۔ رزق کی کمی وزیادتی تیری ذات سے ہے ۔ غیر کے پاس کچھ نہیں ۔ جو تو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دینا چاہے کوئی دے

نہیں سکتا۔ سب کچھ تیرے پاس ہے مخلوق کے پاس کچھ نہیں۔ میں دیوانہ اور پاگل نہیں کہ جس کے پاس کچھ نہیں اس کے پاس جاؤں۔ میں ہر چیز کو تیری ذات میں دیکھتا ہوں بس ہر تمنا کو دل سے رخصت کرنے کا نام، ہر خواہش وچاہت اور غیر کو دل سے نکالنے کا نام اور خدا کے یقین، محبت وخشیت کو دل کے اندر بسانے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کی حقیقت جب کھل جائے اور خدا کے انوارات وتجلیات کو دیکھیں اور یقین ایسا آ جائے کہ سب کچھ خدا سے ہو رہا ہے جیسے پنکھا خود بخود نہیں چل رہا ہے کوئی چلا رہا ہے پیچھے بجلی کی کرنٹ ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ اس بجلی کی کرنٹ کے ذریعہ سے پنکھا چل رہا ہے اسی طور پر خدا کی قسم مخلوق سے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ میرے خدا کی قدرت وطاقت سب کچھ کر رہی ہے۔ جیسے بجلی دکھائی نہیں دیتی مگر پنکھا کے چلنے سے محسوس کی جا سکتی ہے اسی طرح خدا کے احساس کے پیدا کرنے کا نام اور یقین کے پیدا کرنے کا نام ایمان ہے۔ وہ خالق ہے، وہ باری ہے، وہ مصور ہے۔ جب مخلوق کو دیکھو تو مخلوق کی طرف رجحان اور دھیان نہ جائے بلکہ بنانے والے کی طرف نظر جائے کہ یہ میرے اللہ کی کاریگری ہے۔ صورت کو دیکھو تو مصور پر نگاہ جائے۔ میرے اللہ نے اس صورت وشکل کی صورت گری کی ہے۔ اس دنیا میں کتنے انسانوں کی شکلیں ہیں کیا یہ خود بنے یا والدین نے ان شکلوں کو بنایا؟ سب کے سب ایک اللہ نے بنائے اور اس کے ہاں شکلوں کے خزانے ہیں اور ایسی جگہ میں بنائے کہ نہ تم دیکھ سکتے ہو نہ میں دیکھ سکتا ہوں۔ یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ ماں کے رحم میں شکل کو بنایا۔ جس طرح چاہا، جیسا چاہا بنایا اور تین اندھیروں (فی ظلمت ثلثة) میں بنایا۔ کیا ہم 5000 واٹ کے بلب کی روشنی میں ایک آنکھ یا کان یا پاؤں بنا سکتے ہیں۔ اس نے تین اندھیروں کے اندر کان دل دماغ جگر آنکھ اور تمام اعضاء

جسمانی بنائے ۔ دماغ میں کتنی باریک رگیں ہیں ۔ اگر ایک آدھ آگے پیچھے ہو جائے تو بٹہ بیٹھ جائیگا ۔ دل کی حرکت تھوڑی دیر کیلئے بند ہو جائے تو قصہ ختم ہو جائے ۔ میں نے جرمنی میں ڈاکٹر کو کان دکھائے تو اس نے کہا کہ کان میں ہلکی پھلکی ہڈیاں ہیں وہ جم گئی ہیں ہم نے کبھی محسوس بھی نہیں کیا کہ یہ ہڈیاں ہل رہی ہیں اور آواز پہنچ رہی ہے ۔ ہمارے بول کہاں سے آرہے ہیں ۔ جو ہمارے ذہن میں ہے وہ تو اتر کے ساتھ زبان بول رہی ہے یہ کس کا کرشمہ ہے خلق الانسان وعلمه البيان ۔ گونگا کبھی بول سکتا ہے زبان تو اس کی بھی ہوتی ہے یہ تو بلوانے والا بلواتا ہے ۔ کان سنتا نہیں سنوانے والا سناتا ہے ۔ جو سب کچھ کرنے والا ہے ہماری نگاہ اس کی طرف جائے ۔ یہ ایک نقشہ اللہ نے بنایا ہے کہ شکلوں پر نگاہ ڈالے تو شکلوں کے بنانے والے کی طرف نگاہ اٹھے ۔

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں

خوب تصویر بنائی میرے بہلانے کو

کیسے نقشے قائم کئے ۔ پھولوں کو دیکھو ، کلیوں کو دیکھو ، چاند ستاروں کو دیکھو ، پانی کے قطروں کو دیکھو ، اپنے اندرون میں غور کرو صنع الذی اتقن کل شیئ ۔ یہ کاریگری ہے اس ذات کی جس نے ہر چیز کو کمال کے ساتھ بنایا ۔ لا الہ الا اللہ کیا ہے ؟ کوئی خالق نہیں سوائے اللہ کے ۔ کوئی بنانے والا نہیں سوائے اللہ کے ۔ کوئی رازق نہیں سوائے اللہ کے ۔ کوئی اولاد کا دینے والا نہیں سوائے خدا کے ۔ سب کچھ خدا کرتا ہے ۔ سو چا کرو کہ دل میں خدا کتنا ہے اور غیر کتنا ہے ۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو یہ دل کل کا کل میرے خدا کو دے دو وہ اس کو ضائع نہیں کرے گا ۔ وہ اس کو بنائے گا اور ان مقامات پر پہنچائے گا جہاں کا تم کو وہم وگمان بھی نہیں ۔ دل میں راحت وچین کی ایک حیات پیدا کرے گا ۔ جب دل کی طرف

نگاہ کروگے تو سمجھو گے کہ بہشت یہی ہے اور جب مخلوق کی طرف نگاہ کروگے تو کہو گے کہ کس مصیبت میں پہنچ گیا۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر و سمن در آ
توزہ غنچہ گل کم نہ دمیدہ ائی دردل کشا بہ چمن در آ

سوچو کہ اگر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تو مصیبت میں گرفتار ہوتا ہوں۔
سر کو جھکا کر بہار دل کے مزے لوٹو۔ باہر کی بہاروں کو دیکھتے ہوا پنے دل کی بہار کو دیکھو۔ دل میں گل بوٹوں کو دیکھو۔ جب دل کی طرف متوجہ ہو تو خدا کی گزرگاہ دکھائی دے۔ دل تو خدا کا مقام ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے انوارات کا محل ہے۔

ہر لحظہ شان حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن اک جہاں دگر دیکھتے رہے

کل یوم ھو فی شان ۔ ہر آن ایک تجلی بھی ہر آن ایک ادا ۔ دل کو بناؤ گے تو پتہ چلے گا ۔ مثال کے طور پر میں ایک ڈبہ (ریڈیو کیونکہ اس زمانہ میں ٹی وی عام نہیں ہوا تھا) لگا کر رکھ دوں ۔ میں اسکے گوٹے (بٹن) پھراتا ہوں ۔ پشاور کو بھی نہیں پکڑتا ۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ میرا ڈبہ ٹھیک نہیں ۔ مجھے کہا گیا کہ اس میں مشینری اور والو نہیں ہے، یہ صرف ڈھانچہ ہے ۔ گوٹوں کا تعلق تو اندر کے ساتھ ہے جب والو ہو اور مشینری بھی درست ہو تو لندن کو بھی پکڑے گا اور سیلون کو بھی پکڑے گا ۔ ہمارے دل میرے ریڈیو کی طرح ہیں جس میں والو نہیں اس سے کیسے ہم بی بی سی وغیرہ سن سکتے ہیں ۔ ریڈیو کے اندر وہ تاریں اور والو لگالو جن کو چھیڑ دو تو مختلف آوازیں سنائی دیں ۔ یوں پھیردو تو کہیں مرغی گیدڑ دکھائی دے جیسے ٹی وی میں دکھائی دیتے ہیں ۔ اسی طرح رب کے کمالات کو دل

میں دیکھو۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس وقت دل قیمتی ہو جائیگا۔ دل کی قیمت خدا کے تعلق سے ہے۔ اگر دل خدا والا ہے تو عرش اور کرسی سے زیادہ قیمتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے لا یسعنی۔ میری معرفت نہ آسمانوں کو حاصل ہو سکی اور نہ زمین کو۔ وہ مومن کا دل ہے جس میں میری معرفت سما سکی۔

دل بدست آرود کہ حج اکبر است
از ہزار کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آزر است
دل گزرگاہ جلیل اکبر است

دل تو تجلیات رب کا مقام ہے اس دل کی قدر کرو۔ آج تو ایسا زمانہ آیا ہے کہ دل کی تبدیلی کے آپریشن میں سؤر اور بندر کے دل لگائے جاتے ہیں یہ دل اتنا قیمتی ہے کہ جس کی قیمت دنیا و مافیھا ادا نہیں کر سکتے۔ ہم نے دل کو دلی بنایا ہے کہ جس میں ہندو بس رہے ہیں۔ اس دل کو ہر غیر کی محبت و عظمت اور تعلق سے خالی کرو۔ اس کو کہتے ہیں لا الہ الا اللہ۔ تم کافی عرصہ تک اپنے کمرے میں جھاڑو نہ دو اور تمام گندگی اور کوڑا کرکٹ کمرے میں پڑا رہے اور تمہارا اگر کوئی دوست آجائے اور وہ تمہارے کمرے کی تمام پڑی ہوئی گندگی کو دیکھے تو کیا کہے گا؟ تو جیسے تمہارا کمرہ دوستوں کی گزرگاہ ہے ایسے تمہارا دل پروردگار کی گزر گاہ ہے۔ تو جس پر خدا نگاہ ڈالتا ہو، فرشتے دیکھنے آتے ہوں تو اس کو آپ گندہ رکھتے ہیں باقی ہر چیز تو صاف ستھری رکھتے ہو اور ہر بلا یہاں ہے خدا اس میں نہیں۔ زبان ۔۔ . تو کہتے ہیں

کہ اللہ ۔ مگر دل میں نہیں ہم سب نے ابھی ابھی نماز پڑھی ۔ تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک کتنی دیر اللہ میں مشغول رہے اور کتنی دیر غیر میں ؟ اللہ تعالیٰ کا دھیان کتنا رہا اور غیر کا کتنا ؟ ہماری نماز میں سب کچھ ہوتا ہے صرف ایک خدا نہیں ہوتا ۔ اللہ اکبر کے کہنے سی چابی دی موٹر چل پڑی چابی ختم ہوئی جب سلام پھیرا تو پتہ چلا کہ گاڑی رک گئی ہے ۔ **سبحانک الھم** کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور کبریائی دل میں آنی چاہیئے مگر ہمارے اللہ اکبر کے کہنے کے ساتھ ہمیں تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں یاد آگئیں ۔ تماشہ غیر میں مشغول ہوگئے ۔وجہ یہ ہے کہ خارج نماز میں جو سنتے ہیں اور جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں وہ نماز میں یاد آتا ہے ۔ چھابڑی والا تمام دن کہتا ہے کہ مولی لے لو گاجر لے لو کدو لے لو جب رات کو سوتا ہے تو خواب میں بھی مولی گاجر لے لو کہتا ہے ۔ جو خواب کے باہر حالت ونوعیت ہے وہ خواب میں بھی ہے ۔ خارج نماز میں ہم غیر میں کلیتاً مشغول ہوتے ہیں تو نماز میں بھی اسی ہی میں مشغول ہوتے ہیں ۔ تمام دن جک جک بک بک میں گزرتا ہے تو نماز میں بھی وہی جھک جھک بک بک رہتی ہے ۔ نماز میں ہم خارج کی چیز کو باہر نہیں چھوڑتے ۔ جب امتحان کے دن قریب ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ فلاں سوال ضروری ہے اس کو یاد کرنا چاہیئے ہم کو ہر فلاں ابن فلاں یاد آتے ہیں لیکن ایک یاد نہیں آتا اور وہ ہے خدا کا دھیان ۔ مرض کا سبب کیا ہے دل میں غیر ہے جب تک غیر کو نہیں نکالوگے دل نہیں بنے گا یعنی دل بنتا ہے خدا کے یقین کو دل میں جمانے سے اور غیر کے یقین کو نکالنے سے ۔ اس یقین کو لینے کیلئے اور خدا کی رضا کو حاصل کرنے کیلئے لا الہ الا اللہ کی چابی ہے اس کو کیسے ہم حاصل کریں کہ دنیا و آخرت قدموں میں آجائے ؟ آسان سا طریقہ ہے جب تم نے کہا لا الہ الا اللہ کہ میرا مقصود خدا کی ذات کے سوا کوئی نہیں ۔ کلمہ ایک وعدہ اور

پیمان ہے اس بات کا کہ اے اللہ میں اپنی زندگی کے جزو کل، انفرادی و اجتماعی اور ظاہرو باطنی، ہر حال میں تیرے حکم کو دیکھ کر چلونگا۔ اللہ کے حکم کو دیکھ کر اور مان کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ اپنی چاہت یا غیر کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا لا الہ الا اللہ سے ہٹ جانا ہے۔ ایک خدا کی سن کر چلنے کا نام، ایک خدا کے حکموں کو دیکھ کر چلنے کا نام لا الہ الا اللہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بڑے آدمی تھے دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی۔ ان کا نام سن کر اس زمانے کے کو سیجن اور ماوزے تنگ (روس وچین کے لیڈر) کانپتے تھے۔ صلاح الدین ایوبیؒ سے تین چار سو سال تک عیسائی بچوں کو اپنی مائیں ڈراتی تھیں حضرت عمرؓ ہر لحاظ سے بڑے آدمی تھے۔ ذہن میں آیا کہ عورتوں کے مہر کی کچھ تعداد مقرر کریں۔ ایک بوڑھی عورت آئی اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ کو کیا اختیار ہے عورتوں کے مہر کے مقرر کرنے کا؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اگر مہر میں ڈھیروں سونا دیا جائے تو واپس نہیں لے سکتے اور کہا کہ اے عمرؓ میں تیری مانوں یا خدا کی مانوں؟ مومن تو یوں کہتا ہے کہ اے عمرؓ تیری مانوں یا خدا کی؟ حضرت عمرؓ اپنے کو مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ تیرا کیا حال ہے؟ ایک بوڑھی عورت کا حال تجھ سے زیادہ بہتر ہے۔ ہم لوگ خدا کو دیکھ کر چلنے والے نہیں رہے۔ طلب و سکت اور شوق جاتا رہا، درد و فکر جاتا رہا جس نے مومن کو خدا والا بنایا تھا۔ وہ آگ بجھ گئی جس سے دلوں کی انگیٹھیاں روشن تھیں جو کہ ظلم کو جلانے والی تھیں۔ بقول اقبال:-

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

ہم تو راکھ ہو کر رہ گئے حالانکہ مومن تو ایک آگ ہے جس میں پورا کفر و ظلم اور

گناہ جل جاتا ہے۔ ہم پر اپنا نفس اتنا غالب ہو گیا کہ نفس کے تقاضوں پر خدا کے حکموں کو قربان کر دیا۔ اللہ کا حکم بڑا ہے یا ہمارا نفس؟ جب ہم نے نفس کا حکم مانا تو نفس کو عملاً بڑا بنایا۔ "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی چاہت نفس کو خدا بنایا ہے؟" لا الہ الا اللہ نام ہے نفس کی نہ ماننے کا اور خدا کی ماننے کا۔ جب تم خدا کے ماننے کے طریقوں پر آجاؤ گے تو خدا تمہارا ہو جائیگا۔

نہ یہ چاہتا ہوں نہ وہ چاہتا ہوں
خدا کیلئے میں خدا چاہتا ہوں

نفسانیت اور چاہتوں کو آگ لگا دو خدا کیلئے جینے میں بڑا لطف ہے اگر خدا کیلئے نہیں جیو گے تو پھر کتے بلی کیلئے جیو گے۔ ہم عرش سے اونچے ہیں لیکن اگر گرینگے تو انتہائی گندگیوں میں ملوث ہو جائیں گے۔ لا الہ الا اللہ تو کہتے ہو، دل سے کہو۔ ایسے دل کی گہرائی سے کہو کہ کہنے کے بعد زندگی میں تغیر آجائے۔ صحابہؓ کا نام سنا ہے؟ اسلام سے پہلے کفر اور شرک میں مبتلا تھے بتوں کے آگے سر کو جھکاتے تھے۔ جب لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو زندگیوں میں تغیر آگیا۔ جو کام اسلام لانے سے پہلے کرتے تھے کیا وہ اسلام لانے کے بعد بھی کرتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے ذہن بدلے، دل بدلے، دماغ بدلے اور اعمال اور چاہتیں بدلیں، زندگی کے ظاہرو باطن بدلے، گویا کہ وہ (پہلے والے) لوگ تھے ہی نہیں۔ وہ گندے جسم والے جب خدا والے بنے تو ان کے اعمال پر اللہ تعالیٰ کو اتنا پیار آیا کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں اور پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھتے تھے بلکہ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ کسی نے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار فرشتے جنازہ کے ساتھ چل رہے ہیں اور

انہوں نے اپنے پروں کو زمین پر پھیلایا ہے۔ زمین پر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔
جب خدا ملے اور یہ کہتے بلی نہ ملے تو کیا نقصان؟ کسی نے کہا ہے۔

دیوانہ کنی وہردو جہانش بخشی

دیوانہ تو ہردو جہاں چہ کنی

اپنا دیوانہ بناتے ہیں اور دونوں جہاں بھی بخشتے ہیں۔ تیرا دیوانہ دونوں جہانوں کو لیکر کیا کرے گا۔

آپ کو کسی سے محبت ہو جائے اللہ کرے خیر کی ہو شر کی محبت نہ ہو۔ وہ کہے کہ میاں نہ مجھے دیکھ نہ مصافحہ کر نہ بات کر اور کمرے کے اندر جو چیزیں ہیں یہ لیکر چلتے بنو وہ کہے گا میں یہ چیزیں لیکر کیا کرونگا۔

ہم باز آئے محبت سے بڑھا لو پاندان اپنا

مومن ایک خدا کو چاہتا ہے اس عالم کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس میں سے گزر کر خدا ملتا ہے اور اس میں اللہ میاں کی مرضی ہے مومن غیر کا طالب نہیں ہوتا ہے وہ خدا کا طالب ہوتا ہے ہمین ابھی تک لا الہ الا اللہ نہیں آیا جب زندگی کا جزوکل ظاہرو باطن خدا کیلئے ہو جائے تو لا الہ الا اللہ آگیا۔ سوچو ہماری زندگی کے کتنے لمحات خدا کیلئے ہوتے ہیں اور کتنے خدا کیلئے نہیں ہیں؟ استنجا کیلئے جتنا وقت لگاتے ہو۔ گھنٹہ تو بنے گا۔ میں کہونگا کہ جتنا وقت اس خلوت کیلئے فارغ کرتے ہو کبھی خدا کیلئے بھی ایک گھنٹہ، جس میں خدا ہی خدا ہو فارغ کرو۔ استنجا کی حالت میں قریب سے قریب دوست کو بھی گورا نہیں کرتے۔ تنہائی کامل چاہتے ہو تو اس گندے کام کیلئے خلوت چاہتے ہو اور خدا کیلئے خلوت کو نہیں چاہتے یعنی کہ صرف خدا کے ساتھ مشغول ہو اور اس وقت غیر خدا کا دھیان نہ ہو۔ جیسے اندھیرا اور روشنی اکٹھے نہیں ہو سکتے اور جیسے نور و ظلمت اکٹھے نہیں ہو سکتے اس طرح اللہ

اور اللہ کا غیر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ تھوڑا وقت فارغ کرو پھر مزہ دیکھو۔ لڈو پیڑے کا مزہ تو ہوتا ہے یہ تو مخلوق کے مزے ہیں کبھی اللہ میاں کا مزہ بھی دیکھو۔ بس اللہ سے دل لگ جائے تو پوری دنیا نظروں سے گر جائیگی۔ ایمان نام ہے خدا سے ہونے کا۔ ہم دوسری چیزوں میں اسلئے مشغول ہو جاتے ہیں کہ اس میں فوائد اور کمالات دیکھتے ہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو پھر اللہ کے طرف آئینگے۔ انسان کا دل جب کبھی کسی پر فریفتہ ہوتا ہے تو اس کے جمال وکمال ونوال کی وجہ سے ہوتا ہے تو سارے جمال وکمال و نوال اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں خدا کے جمال وکمال اور اس کے احسانوں کو سوچا کرو تو غیروں سے گھن آنے لگی گی۔ اگر کمالات دیکھتے ہو تو ہمارے خدا کی طرح کمالات کسی میں نہیں۔ الا اللہ سے ہر غیر کو نکالو بس اللہ ہی اللہ ہو۔ سب کچھ ہو اور اللہ نہ ہو، سب کچھ مل جائے اور اللہ نہ ملے تو صدر ایوب کی طرح بیڑہ غرق۔ صدر ایوب کے پاس سب کچھ تھا جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں رہا۔ پوری حکومت دوسرے کے قبضہ میں چلی گئی۔ بس کچھ بھی نہیں۔ ایک اللہ کی ذات بس باقی ہوس۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی ذات سے استفادہ کرنے کیلئے اور اپنے انعامات لینے لئے ایک کھلا دروازہ دیا ہے واتو البیوت من ابوابھا امریکہ کی عمارات کی طرح نہیں کہ بلڈنگ تو بہت بڑی اور دروازہ چھوٹا سا۔ اللہ تک پہنچنے کا جو مین گیٹ ہے اور جو شاہرائے اعظم ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اعلیٰ ہے آپؐ کے قدموں کو سر پر رکھیں گے تو خدا تک پہنچ جائینگے۔ جیسے لفٹ ہوتی ہے سوئچ دبایا تو آنا فانا اوپر پہنچ گئے۔ تو اسی طور پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اللہ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ آجائے تو لفٹ کی طرح عرش سے اونچے چلے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور دلارے ہو جاؤ گے۔ خدا کے پیار کے

بھو کے بن جاؤ اللہ تعالیٰ بھی پیار کرے گا ان اللہ یحب المتقین ، ان اللہ یحب المحسنین ، ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرینگے ۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کرو گے تو اللہ پیار کرے گا چوے گا ۔ اوروں کے محبتوں کے پیچھے پھرتے ہو اللہ کی محبت کے طالب بن جاؤ ۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں ۔ جس کو خدا ملے اسے پھر کس چیز کی ضرورت ہے ؟ ہم کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر نہیں چلتے کہ ہمارا ماحول نہیں ۔ ہر وقت کھانے کمانے کی فکر میں ہیں بقول مولانا رومؒ ۔

اہل دنیا کافران مطلق اند

ہر زماں در جک جک و در بک بک اند

رات دن جک جک بک بک میں لگے ہوئے ہیں زراعت والے اس میں مشغول ہیں کہ فصل اور غلہ کیسے پیدا ہوں ۔ ڈاکٹر صاحب قصابی کے کام میں اورا نجینئر صاحب اینٹ پتھر اور روڑوں میں مشغول ہیں ۔ خاک و مٹی میں لگے ہوئے ہیں ۔ تمام یونیورسٹی خاک و مٹی میں لگی ہوئی ہے ۔ بقول اقبالؔ

شکایت ہے مجھے یا رب خداوندان مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

تم تو شاہین کے بچے تھے تمہاری پرواز تو عرش سے اوپر تھی ۔

در دشت جنون من جبریل زبوں سیدے

یزدان بہ کمند آورد اے ہمت مرداں

کہ ایسے لوگ بھی ہیں کہ فرشتے انکے ہوگئے ۔ خدا اور پیغمبر کو بھی اپنا بنایا ایسی زندگی گزارو کہ اپنے لئے بھی اور مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ ۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی شان کریمی ورحیمی اور کمالات سے حصہ لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو خدا والا بنایا۔ خداوالے بنو اور بناؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل خدا کی رحمت کو کھینچنے والا ہے۔آپؐ کے وجود سے نکلنے واے ہر عمل کا ذرہ نورہدایت ہے ، آفتاب ہدایت ہے۔ آپؐ اصلی اور حقیقی رحمۃ اللعالمین ہیں اور ہم نقلی رحمت اللعالمین ہیں۔اگر نقل اصل کے مطابق ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ فمن تشبه بقوم فهو منه ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ نے فرعون کے پاس بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے دو معجزے عطا فرمائے تھے۔ اس زمانہ میں مصر میں ظاہر کے لحاظ سے جادو کا بہت زور اور چرچا تھا۔ جو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے دوسرے کو بھی اسی طرح سمجھتا ہے۔ فرعون سمجھا کہ یہ بھی جادوگر ہے اور بادشاہی کو اپنانا چاہتا ہے ۔جادوگروں کو بلایا انہوں نے موسیٰؑ کی طرح کمر میں کپڑا باندھا ہم بھی ٹیڈیوں کی نقل کرتے ہیں کہ ان کو بڑا سمجھتے ہیں جب مقابلے کا دن آیا تو جادوگروں نے بھی پٹکے کمر پر باندھے کہ ہم بھی بڑے جادوگر نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو پیار آگیا کہ وہ میرے محبوب کی صورت بنا کر آئے ہیں ہم ان کو رد نہیں کرتے۔

ترے محبوب کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

صورت بناؤ سیرت اللہ ٹھیک کر دے گا۔ ظاہر بناؤ باطن وہ بنائے گا۔ خدا نے فیصلہ کیا کہ میں ان جادوگروں کو فرعون والے نہیں بناؤں گا۔ جادوگروں نے رسیاں پھینکیں۔ وہ ایسے نظر آرہی تھیں کہ سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنا عصا پھینکا۔ آسمان سے چار کتابیں آئیں۔ پانچواں آیا ڈنڈا مجھ سے کسی نے کہا شریعت کیسے نافذ ہوگی۔میں نے کہا کہ جیسے مارشل لاء نافذ ہوتا ہے۔اگر اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں تو تمام دین کے بارے میں نخرے ختم ہو

جائینگے۔ چونکہ جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام کے نقل اتارنے پر ہدایت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہنے لگے کہ اگر یہ جادو گر ہوتا تو ہم کو اس طرح شکست نہ دیتا۔ جادوگر جادو کی حقیقت کو جانتے تھے فوراً پکار اٹھے قالو آمنا برب العلمین ۔ رب موسیٰ وہارون فرعون کہنے لگا کہ موسیٰؑ تمہارا رنگ لیڈر تھا تم سب کے سب کے دائیں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دونگا جادوگروں نے کہا کہ کرو جو کچھ کر سکتے ہو ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تو اگر حقیقت نہیں تو نبیؑ کی نقل ہی اختیار کرو خدا اس نقل کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حشر کر دیگا۔ جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا نصیب ہوگا۔ تبلیغ میں یہ موٹی سی بات کہی جاتی ہے کہ یقین کو بنالو اور اعمال کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو اختیار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیا تھا؟ مزارع کا کام کھیتی باڑی، انجینئر کا کام بڑھئی لوہاری اور ہمارے ڈاکٹر کا کام ڈاکٹری ہے۔ ایک عمل ہوتا ہے اور ایک پیشہ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ کیا تھا قل ھذہ ، سبیلی ادعو الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن تبعنی ۔ کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت (سمجھ) کے ساتھ کہ خیر تمام اسی میں ہے اور میری اتباع کرنے والے بھی یہ کام کرینگے۔ فوج میں بھرتی ہوگئے تو سفر میں سڑکیں بناؤ گے، آرٹلری میں توپ چلاؤ گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں شامل ہوگئے تو ان کا کام کرو گے یعنی جو امام کی نیت وہ مقتدی کی نیت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ ہم ماوزے تنگ کی بات مانیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں میری بات مانو ہم کہتے ہیں کہ کارل مارکس اور لینن کی بات مانیں گے جن کو پیٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ یقین اور عمل کے پانے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو سیکھنے اور ایمان کیلئے کچھ وقت نکالو اس کام

کو سکھو اگر تم چاہو کہ کالج میں داخلہ مل گیا ہے اور پڑھو گے کچھ نہیں اور اس خیال میں ہو کہ فرسٹ کلاس میں پاس ہونگے تو یہ اپنے کو دھوکہ دیتے ہو رات کی نیند کو اڑاؤ گے تو کچھ ملے گا ۔ امتحان کے دنوں میں کام کی زیادتی اور فکر کی وجہ سے رنگ بھی پیلے ہو جاتے ہیں ۔ آج سے پانچ سال پہلے کی بات ہے ہمارے ایک دوست تھے جس کو امتحان کے دنوں میں Nervous break down ہو گیا تھا مجھ سے کہا کہ دعا کرو کہ امتحان ہال میں پیشاب خطا نہ ہو جائے ۔ دین کے کام کا بھی ایک کورس ونصاب ہے ۔ زندگی میں ایک دفعہ چار مہینے اللہ کے راستہ میں لگا لو جتنا گھسو گے تو کچھ آئے گا ۔ بوٹ پر پالش خوب لگاؤ لیکن رگڑو نہیں تو چمک نہیں آئے گی ۔ اللہ کے راستے میں نکلو اور مجاہدہ کرو انشاء اللہ چمک جاؤ گے ۔ ارادہ کرلو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ۔ کیا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں یہاں سے زندہ اٹھو نگا ؟ کیا پتہ ہے کہ ملک الموت آجائے اور کام تمام ہو جائے ۔ کیا ایک پل کی اجازت دے گا ؟ اللہ تعالیٰ تمہاری عمروں میں برکت دے ۔ خیر ایک نہ ایک دن کو تو کہیں جائینگے ۔ اگر ہم ارادہ کریں کہ اے اللہ یہ زندگی پوری کی پوری تیرے حکموں کے مطابق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر گزارونگا تو نیت کا ثواب تو مل جائیگا ۔ ایک نیکی تو ابھی سے لکھ دی جائیگی ۔ ہم نیت کریں کہ اے اللہ یہ زندگی تیری دی ہوئی ہے اور تیرے لئے اس کو لگاؤنگا ۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور پھر یہ ارادہ کرو کہ موقع ملے گا تو چار مہینے اللہ کی راہ میں لگا لونگا ۔ گرمی کی چھٹیوں میں 40 دن کیلئے اللہ کے راستے میں نکل جاؤ ۔ گھروں میں تو کئی سال گزارے اب جو وقت ملے اسے اللہ کے راستے میں لگا دو ۔ ابھی سے ارادے کرو

نماز

حقیر و بے نوا ضعیف و کمزور انسان کو مکالمہء الہی اور یاد خداوندی سے سرفراز کرنے، رحمت الہیہ کی سزاوار سراپا قدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کی راہیں کھولنے اوامر الہی کا پابند کرنے اور انقیاد و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اسلامی نماز کا فریضہ پنجگانہ مقرر کیا گیا کہ عبدیت و خصائل عبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجا آوری کا لازمی نتیجہ ہیں نماز میں بندہ اپنی مرضیات و خواہشات کو فنا کر دیتا ہے۔ اور ایک بے جان کل کی طرح اوامر الہی کا پابند ہو جاتا ہے۔ کبھی آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اس کی پسند کے مطابق کلمات پڑھتے ہوئے اس کی کبریائی و صمدیت اور عظمت و جبروت کا دھیان اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیازمندی کی خاک سے عزت بخشتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ جو اس کی مرضی ہوتی ہے۔ وہی کہتا ہے۔ گویا وہ ایک جسد بے روح ہے۔ جس کی ہر ہر حرکت کی فاعل وہی کبیر و متعال ذات ہے۔ جس کی الوہیت کا بندہ عاجز اقرار کر چکا ہے۔ گویا وہ اپنے جسم و روح کو اپنے مالک کے سپرد کر

دیتا ہے۔ کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے۔

چشم و گوش و دست و پائم او گرفت ٭ من بدر رفتم سرائم او گرفت

قولاً و فعلاً ظاہراً و باطناً اوامر الٰہیہ کی بے حیل و حجت پابندی نماز کا خاصہ ہے اور اسلامی زندگی کی حقیقت، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ کی روح بھی یہی ہے۔ کہ اپنی خواہشات و مرضیات کو مٹا کر خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اوامر الٰہیہ کی پابندی کی جائے۔ نماز کی اس کے آداب و ارکان کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عظمت الٰہی اور جذبہ بندگی پیدا کرنے کا سہل ترین زینہ ہے۔ کیوں کہ نماز کی روزمرہ پانچ بار تکرار ہمارے لیے نفسیاتی طور پر اوامر الٰہی کے سامنے مٹنے اور اپنے کو خدائے عزوجل کے سپرد کرنے کی باعث بنتی ہے جب ہم بار بار اللہ کے حکموں کی پابندی کرتے ہوئے دن میں پانچ مرتبہ اسکے حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ احکام الٰہیہ کی پابندی کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے جو ہمارے لئے عبدیت کی زندگی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اسلئے کہ جب ہم بار بار اپنی خواہشات اور مرضیات کو مٹا کر اللہ سے (نماز کے ذریعے) رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو عبدیت کے راستہ کا وہ سنگ گراں جسے "ہوی"

کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے ان پیہم ضربتوں سے چور ہوجاتا ہے ۔ اور انسان منتہائے عبدیت یعنی رضائے مولا سے ہم کنار ہوجاتا ہے کا قول ہے کہ اللہ اور بندے میں ایک قدم کا بعد ہے ۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہویٰ) پر رکھے تو بس دوسرے قدم میں مقصد حاصل ہے ۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں اشکارا فرمایا ہے ۔

واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عنالھوی ہ فانالجنتہ ھی الماوی ہ (النزعات ۔ ۲)

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا ۔ اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا ۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا ۔ (ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی)

ہوائے نفسانی کو توڑنے ،فواحش و منکرات سے روکنے اور شان عبدیت پیدا کرنے کے ۔ یہی خاصیات نماز کالازمہ ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے ۔

اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (العنکبوت ۔ ۵)

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسے پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے

۔ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے گویا تلاوت کتاب (قرآن) سے جس زندگی کی پردہ کشائی ہوتی ہے ۔ اقامت صلوٰۃ سے اس کا اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک جوان جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا ۔ برائیوں سے نہیں بچتا تھا ۔ اس کی حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی نماز اس کو بچالے گی ۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور گیا ۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام احمد نے مسند میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونے کا تذکرہ کیا گیا ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت چھوٹ جائے گی ۔ (احسن التفاسیر ص ۱۱۶ ۔ ج ۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام زندگی اور حیات طیبہ دنیا میں لے کر آئے تھے ۔ اسکے نشوونما کے لئے اس آب حیات (نماز) کا دائمی و ہمہ گیر تقاطر لازمی و لابدی تھا ۔ اس زندگی کی آبیاری کے لئے نماز کی اتنی ہی ضرورت ہے ۔ جتنی کسی کھیتی کو پانی کی ہو سکتی ہے ۔ یہی آب زلال کا وہ سرچشمہ

ہے ۔جس سے اسلامی زندگی کی رگ رگ میں ایمانی طراوت پہونچ کر اس کی بالیدگی کا سبب بنتی ہے ۔ایمانی تروتازگی اور روحانی اطراوت و ٹھنڈک کا خزانہ ڈھونڈھنے والوں کو اسی نماز میں نصیبت ہوا ہے ۔چنانچہ حیات اسلامی کے اسوہ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰاۃ

بنائی گئی ہے۔میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں۔

اس طراوت چشم و جگر کا راز یہ ہے ۔ کہ نماز میں محبوب ازلی کا جو قرب نصیب ہے ۔ وہ اس دنیا میں کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں ۔ جیسا کہ (واسجد واقترب (السجدہ) اورسجدہ کر اور قریب ہو۔ کی نص قرآنی شاہد ہے ۔اور پھر ان لمحات میں کشگان محبت کو عرض ونیاز اور نگاہ لطف و کرم کا وہ موقع نصیب ہوتا ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی علیہ السلام ہے۔

(ان فی الصلوٰاۃ لشغلا۔ صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوۃ) نماز میں ایک اور ہی شغل (مصروفیت) ہوتی ہے ۔اور جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرات کررہے تھے ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگو! تم میں

سے ہر ایک اللہ سے مناجات کررہا ہے۔ تو وہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔(ابوداود۔ صلواۃ اللیل)

نماز ہی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں گناہوں کی کثافتیں دھلتی ہیں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔اور انسان کی روح ناصبور چین و سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے۔ کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الٰہی کے ممکن نہیں۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ہ (رعد۔۴)(اللہ ہی کی یاد سے دلوں کی تسکین ہوتی ہے۔)

اور نماز کا مقصد یادالٰہی بتایا گیا ہے۔ واقم الصلواۃ لذکری (اور میری یاد کے لئے نماز قائم کر۔)

قلب انسانی نماز ہی کی بدولت تجلیات وانوارالٰہی کا مہبط بنتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ "نماز دل کی روشنی ہے۔"(سیرت النبی ص ۵۲ ج ۵ بحوالہ کنزالعمال جلد ۴ کتاب الصلواۃ) عشق الٰہی کی تابانیاں نمازی کو سراپا نور بنادیتی ہیں۔ ذوق و شوق کی کیفیتیں مجبور روح انسانی کو سرور وجد کے اس پر کیف عالم میں پہنچادیتی ہیں۔ جہاں پرتو جمال کے سوا کوئی ہمنشیں اور

بے حرف و صوت کلام سرمدی کے سوا کوئی ندا سامعہ نواز نہیں ہوتی۔ جہاں حسن ازل کے سامنے ماسوا کے تمام نقوش مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اور قلب انسانی ماسوا سے فراغت کے اس مقام پر جا پہونچتا ہو جہاں کہنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے۔ کہ

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی۔ اب تو آجاب تو خلوت ہو گئی۔ (مجذوب)

یہ نماز ہی تو ہے۔ جو کیف و مستی کے اس عالم میں انسان کو پہونچا دیتی ہے۔ کہ ایک رات دو صحابی پہرہ دینے کیلئے میدان جنگ میں متعین ہوتے ہیں۔ ایک سو جاتے ہیں۔ دوسرے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دشمن ان کو تاک کر تیر مارتے ہیں۔ جو بدن میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ لیکن لطف و سرمستی میں کمی نہیں ہوتی۔ نماز جاری رہتی ہے۔ کہ جو پیاری صورت شروع کی تھی اس کا سرور ہنوز باقی تھا۔ (ابوداود کتاب الطہارت باب الوضو من الدم)

عشق کا تموج بے خودی کے ان مقامات پر جا ڈالتا ہے۔ کہ فاروق اعظم ایک شقی کے خنجر سے امت کے فرائض انجام دیتے ہوئے خاک و خون میں لوٹنے لگتے ہیں۔ لیکن مقتدی محبت کی پہنائیوں سے باہر آنے سے مجبور ہیں

۔جب نماز ختم کر کے اس عالم بیخودی سے باہر آتے ہیں تب خلیفہ وقت کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

چوں نمازی گذارم بخدا خبر ندارم ہ کہ تمام شدر کوعے یاامام شد فلانے

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا یہ واقعہ توصیف و تعریف کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اذ عرض علیہ بالعشی الصفنات الجیاد ہ فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ۔ ردوھا علی فطفق مسحا باسوق والاعناق ۔(ص۔۳)(چنانچہ وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہی جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل(اور عمدہ) گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گیا۔یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب) میں چھپ گیا۔ (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ) ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاو سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا(ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی) اگر اللہ کے صاحب شوکت نبی سلیمان ابن داود علیھم السلام نے اللہ کے ذکر میں حائل کی وجہ سے گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں اڑادیں تھیں تو مکتب رسالت صلی

اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بھی اپنی انکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی روشنی نماز کے کیف و سرور میں اگر کسی چیز کو حارج دیکھتے تھے۔ تو اسے قربان کر کے رکھ دیا کرتے تھے ۔حضرت ابوطلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ۔ایک خوشنما چڑیا نے سامنے آ کر چہچہانا شروع کیا۔حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دیر تک ادھر ادھر دیکھتے رہے ۔پھر جب نماز کا وقت آیا تو رکعت یاد نہ رہی ۔ دل میں کہا اس باغ نے یہ فتنہ برپا کیا۔یہ کہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ائے ۔اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے ۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے ۔باغ اس وقت نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا ۔پھلوں کی طرف نظر اٹھ گئی تو نماز یاد نہ رہی ۔جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا ۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا ۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ باغ جس نے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیا ۔راہ خدا میں دیا دیتا ہوں ۔چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال کی طرف سے بیچا۔ تو پچاس ہزار میں فروخت ہوا۔

(سیرت النبی ص ۲۰۰ ج ۵ بحوالہ موطا مالک کتاب الصلوۃ)

یہ نماز ہی کی کیف انگیزیاں تھیں جو ایسے مافوق العادت واقعات کے ظہور کا باعث بنیں۔ ان کیف انگیزیوں کی بدولت خالق کی سوا ہر چیز سے بندہ کا قلبی تعلق ٹوٹ گیا۔ اور ماسوا کی محبتیں جاتی رہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس سے اسلامی زندگی کی راہیں انسان پر کشادہ ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے۔ جو ہر مرد و زن' امیر و فقیر' بوڑھے اور جوان پر فرض ہے جو سن بلوغ سے لیکر آغوش لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ نہ میدان جنگ کے ہیبت ناک احوال و مناظر اس عزیز فریضہ کی ادائیگی میں مانع آسکتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور عذر علاوہ ضیاع ہوش و حواس کے اس کے ترک کا عذر بن سکتا ہے۔ اعذار کی صورت میں آسانیاں ضرور فراہم کر دی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان رہتے ہوئے کسی صورت میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

واقیمو الصلواۃ و لاتکونوا من المشر کین (روم۔ ۴) اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاو۔

گویا نماز کا ترک مشرکوں میں سے ہو جانے کا ہم معنی ہے۔ کفار سے جب

پوچھا جائے گا۔ کہ جہنم میں تم کیوں ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔
لم نک من المصلین (مدثر ۲۰) ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔
رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بین العبد وبین الکفر ترک الصلوۃ (مشکواۃ ص ۵۸ بحوالہ مسلم)
بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (یعنی اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر (کی سرحد) سے جا ملے گا۔
ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے۔
عبداللہ ابن بریدۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
العھد الذی بیننا و بینھم الصلوۃ فمن ترکھا فقد کفر (مشکوۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد، ترمذی ونسائی وابن ماجہ)
ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہے۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہوا (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی۔
انس انب مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔
قال لیس بین العبد و الشرک الا ترک الصلوۃ فاذا ترکھا فقد اشرک (ابن ماجہ

باب فیمن ترک الصلوۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے اور شرک کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے ۔جب نماز چھوڑ دی تو اس نے شرک کیا۔ عبداللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں ۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو شخص نماز پر محافظت کرے گا۔ تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی' برہان (ایمان کی واضح دلیل (کمافی المرقاۃ) اور ذریعہ نجات ہو گی ۔ اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ روشنی ہو گی نہ دلیل (ایمانی) اور نہ نجات ۔ اور قیامت کے روز وہ قارون فرعون اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہو گا۔ (مشکوۃ کتاب الصلوۃ ص ۵۸ بحوالہ احمد ودارمی و بیہقی)

امام بغوی نے شرح السنہ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبداللہ بن شقیق کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے ۔ (کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایرون شیئاً من الاعمال ترکہ غیر الصلوۃ) (مشکوۃ ص۵۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے ۔ اسی قبیل کے اقوال عمر فاروق

اور ابن مسعود رضوان اللہ علیہم سے ملا علی قاری نے روایت کئے ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔جس نے عمداً نماز چھوڑی اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے ۔ نماز کا ترک کفر ہے ۔(بر حاشیہ ابن ماجہ ص ۷۰ بحوالہ مرقاۃ) ان اقوال کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے ۔ جو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے ۔ جسے امام سیوطی نے در منثور میں بزار کے حوالہ سے نقل کیا ہے ۔ کہ (لا سھم فی الاسلام لمن لا صلوٰۃ لہ) (رسالہ نماز از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ص ۱۱)اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ ہو ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو جسد دین کیلئے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے ۔ چنانچہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اسکے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے ۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے ۔ اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں)(حیاۃ المسلمین امام تھانوی ص ۶۶ بحوالہ طبرانی اوسط وصغیر)

ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس کے

پہلے دو اجزا یہ ہیں (اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تشرک باللہ شیئاً وان قطعت و حرقت ولا تترک الصلوٰۃ مکتوبۃ فمن ترکہا متعمداً فقد برئت عنہ الذمہ اللہ ورسولہ) کہ میرے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کر اگر چہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا دیا جائے اور فرض نماز عمداً نہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر وہ اللہ ورسول کے ذمے سے نکل گیا۔ اسکی تقریباً ہم معنیٰ حدیث امام منذری نے ترغیب میں طبرانی و محمد ابن نصر کے حوالے سے عبادہ ابن صامت صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کی وصیت کی جن میں سب سے پہلی اور اہم دو باتیں یہ تھیں۔ (لا تشرکوا باللہ وان قطعتم او حرقتم ولا تترکوا الصلوٰۃ متعمداً فمن ترکہا فقد خرج من الملۃ) (رسالہ نماز ص ۱۱ از مولانا محمد منظور نعمانی) اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرو۔ اگر چہ تمھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو کیونکہ جس نے عمداً نماز چھوڑی وہ ملت سے نکل گیا۔)

اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے ۔ ان وعیدوں سے ظاہر ہے ۔ جو اس کے
ترک پر نقل کی گئی ہیں ۔ بلکہ قرآن میں تو نماز میں سستی و کاہلی کو منافقین
کی علامت بتایا ہے ۔ (واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالیٰ ۔ جب وہ نماز کو اٹھتے
ہیں تو سستی کرتے ہوئے اٹھتے ہیں ۔) ایمان کی ظاہر نشانی اور توحید کے بعد
پہلا حکم نماز ہی ہے ۔ جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جا
سکتا ہے ۔ اور اسلامی زندگی کی تمیز بھی اسی نماز سے ہوتی ہے ۔ یہی سبب
ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے ۔ چنانچہ
قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف ۔ بجا آوری کا حکم اور اس کی
تاکید آئی ہے ۔ (سیرت النبی ص ۱۷ ج ۵) اور احادیث کی کتابیں " کتاب
الصلواۃ و ابواب الصلواۃ " کے عنوانات سے نماز کے متعلق لا تعداد احادیث
کے ذخیرے سے گرانبار ہیں ۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں ۔ نماز ہی
اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے ۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں ۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو
سب اعمال سے وہ کون سا عمل پسند ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ الصلواۃ لوقتھا ،
اپنے وقت پر نماز " (مشکواۃ ۔ بحوالہ ۔ بخاری و مسلم ص ۵۸) ام فردہ انصاریہ رضی

اللہ عنہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اول وقت پر نماز سب سے بہترین و افضل عمل ہے۔ (رواہ احمد و ترمذی و ابو داود۔ مشکواۃ باب تعجیل الصلواۃ)۔ آپ علیہ السلام نے نماز کو دین کا ستون، قرار دیا ہے۔ کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔ (سیرت النبی ص ۲۷، ج ۵ بحوالہ کنز العمال) طائف کے وفد نے جب مدینہ آ کر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز، جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا۔ آپ نے پچھلی دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا ۔لیکن نماز کے متعلق فرمایا۔ "ولاخیر فی دین لیس فیہ رکوع" جس دین میں اللہ کی طرف جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابو داود جلد ثانی باب ماجاء فی خبر الطائف ص ۲۷، ج ۲) دارمی نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "جنت کی کنجی نماز ہے" (حیاۃ المسلمین ص ۶۵) نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام مسلم ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (الصوۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر۔ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے

درمیانی زمانے میں (سرزدشدہ گناہوں) کا کفارہ ہے ۔ جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے ۔) حضرت ابوہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم ارئیتہ لوان نحرآ بباب احد کم یغتسل فیہ کل یوم خمسا ھل یبقی من درنہ شیئ قالو لایبقی من درنہ شیئ قال فذالک مثل الصلوات لاخمس ۔ یمحواللہ بھن الخطایا۔ (مشکوۃ ص ۵۷ بحوالہ بخاری و مسلم) آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو ۔ اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گی ۔ لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گی ۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اُن کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ "ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا ۔ اور پھر ندامت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلموسلم کے پاس آ کر اپنے (گناہ) کی اطلاع دی ۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

(اقم الصلوۃ طرفی النھار و زلفا من الیل ان الحسنات یذھبن السیات (ہود۔۱۰) قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے کہ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو ۔) اس آدمی نے پوچھا ۔ یارسول اللہ کیا یہ (

کفارہ گناہ) صرف میرے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لیے ہے۔ (صحیح بخاری باب الصلوٰۃ کفارۃ ص ۷۵، ج ۱) عبادہ ابن صامت سے روایت ہے۔ (عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات افترضھن اللہ تعالیٰ من احسن وضوء ھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن کان لہ علی اللہ عھد ان یغفرلہ و من لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عھد ان شاء غفرلہ وان شاء عذبہ (رواہ احمد وابو داؤد وروی مالک النسائی نحوہ مشکوۃ ص ۵۸) ابو قتادۃ بن ربعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اور اپنے ذمے یہ بات لازم کرلی ہے کہ جو ان کی محافظت ان کے وقت پر کرے گا۔ اسے میں ضرور جنت میں داخل کرونگا۔ اور جو ان کی محافظت نہیں کرے گا مجھ پر اسکی کوئی ذمے داری نہیں۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی فرض الصلوٰۃ الخمس ص ۱۰۳)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزاں میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اے اباذر! میں نے جواب دیا کہ (ابوذر) حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے۔ تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل ثالث۔ بحوالہ احمد)

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے۔ (قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی سجدتین لاسیھو فیھما غفر اللہ لہ ماتقدم من ذنبہ (مشکوٰۃ ص ۵۸۔ بحوالہ احمد) محدث طیبی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ "اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضور قلب اور عبادت کا اس طرح کرنا گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (مرقاۃ) یہی وہ مقام ہے۔ جو معراج المومنین اور حیات اسلامی کی غایت قصوی ہے۔ کہ انسان کے لئے قرب و معیت الہیٰ سے بڑھ کر کوئی شے عزیز ورفیع نہیں ہو سکتی اور انتہائے قرب اس عالم میں نماز ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں روایت کے رتبہ کی طرح ہے۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویت

کے وقت ۔ اور جان لیں ۔ کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں ۔ اور نماز اصلی مقصد ۔ (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۲۷ بنام حاجی خضر افغانی) قرب الہیٰ کے سب سے بڑے مشتاق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے بلال کو کہا کرتے تھے ۔ (قم یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ) اے بلال اٹھو اور نماز کا انتظام کر کے مجھے راحت پہونچاؤ ۔ کہ آتش ہجر و فراق نماز ہی سے بجھ کر راحت کا سبب بن سکتی ہے ۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ ہی نے فرمایا "انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے ۔ (سیرت النبی جلد پنجم ص ۲۰۷ بحوالہ کنز العمال جلد رابع) اغلباً یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا ۔ جس نے پھتروں سے لہو لہان کرنے والے طائف کے باشندوں کو عذاب الہی میں تباہ ہونے نہ دیا ۔ جس نے زخم کھا کر اور دانت شہید کروا کر "اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" کا امرت چھڑکا ۔ جس نے اپنے جلاوطن کرنے اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" کے معافی نامے سے نوازا وہ مجسم رحمت ہی اس بات پر مجبور ہو گیا ۔ کہ قرب الہیٰ کی ان پر کیف ساعتوں میں مخل ہونے والوں پر بددعا کرے ۔ چنانچہ عبداللہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم یصلی عند الکعبۃ و جمع قریش فی مجالسھم اذ قال منھم الا تنظرون الی ھذا المرائی ایکم یقوم جزور ال فلان فیعمد الی فرثھا ودمھا وسلاھا فیجئی بہ ثم یمھلہ حتی اذا سجد و ضعہ بین کتفیہ فنبعث اشقاھم فلما سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضعہ بین کتفیہ وثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجداً فضحکوا حتی مال بعضھم علی بعض من الضحک فانطلق منطلق الی فاطمۃ وھی جویریۃ فاقبلت تسعیٰ وثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجداً حتی القتہ عنہ واقبلت علیھم تسبھم فلما قضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلواۃ قال اللھم علیک بقریش اللھم علیک بقریش اللھم علیک بقریش بعمر وبن ھشام وعتبہ بن ربیعۃ وشیبۃ بن ھشام و عتبہ بن ربیعۃ و شیبۃ بن ربیعۃ والولید بن عتبۃ وامیۃ بن خلف وعقبۃ بن ابی معیط و عمارۃ بن الولید قال عبداللہ فواللہ لقد رایتھم صرعیٰ یوم بدر ثم سحبوا الی القلیب قلیب بدر ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واتبع اصحاب القلیب لعنۃ (صحیح بخاری) باب المرا ہتطرح عن المصلی شیاء من الذی ص ۷۴ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس (کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے اور قریش اس وقت اپنی مجالس میں (کعبہ ہی

میں) جمع تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا کیا تم اس ریا کار (نعوذ باللہ محمد
الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو۔ تم میں سے کون فلاں خاندان کے
اونٹوں کے پاس جا کر اونٹنی کی اوجھ (وہ پردہ جس میں جنین ہوتا ہی مع لید
اور خون لائے گا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مہلت دیگا۔ یہانتک کہ
آپ سجدے میں چلے جائیں تو آپ کے کندھوں کے درمیان رکھدے۔ پس
ان میں شقی ترین (عقبہ ابن معیط اس کام کے سرانجام دینے کے لئے) اٹھا
اور آپ سجدے میں گئے۔ آپ کے کندھوں پر یہ نجاست رکھ دی اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے۔ کفار قریش نے اس منظر پر ہنسنا
شروع کیا۔ یہانتک کہ ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ کسی شخص نے جا
کر حضرت فاطمہ (جو ابھی کم عمر لڑکی تھیں) کو اطلاع کی۔ وہ دوڑتی ہوئی
آئیں۔ سراقدر ن اللہ علیہ وسلم ہنوز سجدے میں تھا۔ یہاں تک کہ جناب
فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہ نے یہ نجاست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں
سے اٹھا کر پھینکی۔ اور کفار کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے اللہ قریش کو ہلاک کر اے اللہ قریش
کو ہلاک کر اے اللہ قریش کو ہلاک کر، پھر نام لے کر بددعا دی۔ اے اللہ

عمر و ابن ہشام (ابو جہل) عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ ولید ابن عتبہ، امیہ ابن خلف، عقبہ ابن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کو ہلاک کر، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم جنھیں حضور علیہ السلام نے بد دعا دی تھی۔ میں نے بدر کے دن انھیں مقتول حالت میں پڑے دیکھا۔ پھر کھینچ کر بدر کے کنوئیں میں انھیں ڈال دیا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کنوئیں کے رہنے والوں کی لعنت و پھٹکار تابع ہو گئی۔ یعنی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سخت ترین بد دعا اس دن نکلی جب کہ غزوہ احزاب میں جنگی مصروفیت کی وجہ سے آپ کی نماز عصر فوت ہو گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ قال لما کان یوم الاحزاب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملا اللہ قبورھم و بیوتھم نارا کما حبسو نا و شغلو نا عن الصلوۃ الوسطیٰ حتیٰ غابت الشمس (صحیح مسلم باب الدلیل لمن قال الصلوۃ الوسطیٰ ھی صلوۃ العصر ص ۲۲۶ ج ۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ غزوہ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ ان کفار کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔ جس طرح انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ (عصر) کے پڑھنے سے مشغول اور باز رکھا۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔ (اور نماز قضا ہوگئی) غور کیجیے وہ رحمت مجسم اور پیکر حلم و کرم جو ایک ایک انسان کو آگ سے بچانے کے لئے رات دن فکر و غم میں گھلا جا رہا تھا۔ ایک نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس قدر آزردہ خاطر ہو جاتا ہے۔ کہ جن کی ہدایت کے لئے دندان و جبین مبارک زخمی ہونے کی حالت میں بھی زبان سے دعا ہی کے کلمات نکلتے تھے۔ انھیں کی قبور و بیوت کے آگ سے بھرنے کی بددعا کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ نماز کی اندرونی کیفیتوں کے واقف ہی

جان سکتے ہیں ۔ کہ خلوت خاصہ کی کیا راز دارانہ کیف انگیزیاں تھیں۔ جن کی فوتیدگی کی وجہ سے حلم وصبر کا یہ وسیع پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

میان عاشق و معشوق رمزیست　　کراما کاتبین راہم خبر نیست

امام ربانی سرہندی صاحب اپنے مکتوب میں "لی مع اللہ وقت" کی تشریح میں لکھتے ہیں ۔ کہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا۔ اور وہ وقت ادائے نماز کا وقت تھا "الصلواۃ معراج المومنین" آپ نے سنا ہو گا" ارحنی یا بلال" (اے بلال مجھے غم سے آزاد کر یا راحت پہنچاؤ) اس مطلب کے لئے عادل گواہ ہے اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (جن سے یہ قول "لی مع اللہ وقت "منقول ہے) بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو آپ علیہ السلام کے تمام کمالات سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے"۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ص ۲۹۳) نماز کی یہی خصوصیات تھیں ۔ جن کی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر اس کی ادائیگی میں کچھ فرق محسوس کرتے تھے ۔ تو اشکبار ہو جاتے تھے ۔ امام زہری کہتے ہیں۔ کہ دمشق میں میں حضرت

انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے ۔میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں ۔فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی کوئی چیز نہیں پاتا ۔سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اب ضائع کی جارہی ہے ۔(کہ تاخیر سے پڑھی جاتی ہے ۔)(صحیح بخاری باب تضیع الصلوۃ عن وقتھا)۔نبی علیہ السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا ۔وہ محتاج بیان نہیں اور حق تو یہ ہے ۔کہ نماز ہی اسلامی زندگی کا وہ منبع ہے ۔جس سے حیات اسلامی کا ہر دھارا پھوٹ کر نکلتا ہے ۔حیات اسلامی کا دریا اسی کوزے میں بند اور ایمانی زندگی کا صحرا اسی ذرہ میں پنہاں ہے ۔توحید کے درخت کا پہلا ثمر یہی نماز ہے ۔اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے ۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ لکھتے ہیں ۔(اعلم ان الصلوۃ اعظم العبادات شانا و اوضحھا برھانا واشھرھا فی الناس وانفعھا فی النفس و لذالک اعتنی الشارع ببیان فضلھا و تعیین لوقتھا و شروطھا وارکانھا واٰدابھا ورخصھا و نوافلھا اعتناءً عظیما لم یفعل فی سائر انواع الطاعات وجعلھا من اعظم شعائرالدین ۔(حجۃ اللہ البالغہ من ابواب الصلوۃ)۔جاننا چاہیئے ۔کہ نماز تمام عبادتوں سے بڑھ کر عظیم الشان ثبوت کے

لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہے اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے۔یہی وجہ ہے۔ کہ شارح علیہ السلام نے اس کی فضیلت بیان کرنے اس کے اوقات کے تعین اور اسکے شروط و ارکان اور اداب۔رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔اس قدر کہ تمام عبادات میں سے کسی کے لئے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا۔اور دین کا اسے ایک عظیم الشان شعار قرار دیا ہے۔

اسرار شریعت کے ایک دوسرے رازداں حقیقت نماز کے حقائق کی پردہ کشائی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔"جاننا چاہیئے کہ اسلام کے ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔اور ایسا جزو ہے۔جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔اور تمام اعمال قرب سے برتر ہوگئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔اسی واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔(الصلوۃ معراج المومنین) سب سے زیادہ اعلی قرب جو بندے

کو رب سے ہوتا ہے ۔ وہ نماز میں ہوتا ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہاں میں اس دولت کا کافی حصہ نماز میں حاصل ہے ۔ اگر چہ رویت میسر نہیں ۔ کیونکہ یہ جہاں اس کی طاقت نہیں رکھتا ۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا ۔ چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا ۔ اور طالب سے مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا ۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے ۔ اور نماز ہی بیماریوں کیلئے راحت بخش ہے ۔ ارحنی یا بلال اسی ماجرا کی رمز ہے ۔ اور قرۃ عینی فی الصلوۃ میں اسی مطلب کیطرف اشارہ ہے ۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات وانوار اور تلونیات و تمکینات اور تجلیات متکیفہ اور غیر متکیفہ اور ظہورات متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں ۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں ۔ ان کا منشا ظلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہے ۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے ۔ نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے ۔ اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے ۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے ۔ حصہ حاصل کر لیتا ہے ۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے فائدہ پالیتا ہے ۔ کیونکہ عالم دنیا

کمالات ظلی پر منحصر ہے۔اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے۔وہ آخرت سے مخصوص ہے۔پس معراج سے چارہ نہ ہو گا۔اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے۔جو اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب (کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہونچکر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے) اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی۔اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی۔(مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی مکتوب ص ۲۶۱)

بیشک وہ نماز جس میں قلب مومن ماسوااللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہو معیت خداوندی کی وجہ سے وہ لامکانی اور دوسرے عالم کی چیز ہے۔اور حقیقت میں مومن کی معراج ہے۔اقبال نے جاوید نامہ میں روح زمان ومکان کی زبانی کہا ہے۔

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست　　آں جوانمردے طلسم من شکست

گر تو خواہی من نباشم درمیاں　　لی مع اللہ باز خواں از عین جاں!

یہ نماز ہی ہے۔جو ایک ناتواں وضعیف انسان کو ملاء اعلیٰ کے انتہائی منازل طے کرادیتی ہے۔اور اس عالم میں جمال الٰہی کے پر تو سے قلب مسلم پر

انوارات و تجلیات کی بارش کرتی ہے

در بدن داری اگر سوز حیات ہست معراج مسلمان در نماز

نماز کے یہی کمالات ہیں جن کی وجہ سے امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے۔ (اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہو گئی۔ اور خلاصی کے واسطے جل متین ہاتھ آ گئی۔) (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۰۴ بنام مولانا عبدالحی صاحب)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ (اقول الصلوۃ من اعظم شعائر الاسلام و علامتہ التی اذا فقدت ینبغی ان یحکم بفقدہ لقوۃ الملابسۃ بینھا و بینہ وایضا الصلوۃ ھی الحقیقۃ لمعنی اسلام الوجہ اللہ و من لم یکن لہ حظ منھا فانہ لم یومن الاسلام الا بما لا یعبا بہ) (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول فضل الصلوۃ) میں کہتا ہوں کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے۔ اور اسلام کی ان علامات میں سے ہے جس کے جاتے رہنے کے سبب اگر فقدان اسلام کا حکم کر دیا جاوے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بڑا گہرا اور قوی تعلق ہے نیز اسلئے کہ سر نیاز خم کر دینا جو اسلام کے معنی ہیں۔ انھیں نماز ہی پورے طور پر ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا۔ تو اسلام سے سوا اس چیز کے جس کی

پرواہ نہیں کیجاتی وہ کچھ حاصل نہ کرسکا (یعنی اسے اسلام کا کچھ فائدہ نہ ہوا)
یہی وجہ ہے کہ جب نماز کی ظاہری صورت بھی دنیا سے اٹھالی جائے گی تو
گویا دین کی بنیادوں میں سے آخری چیز بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔
جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ (اول ماتفقدون من
دینکم الخشوع و آخر ماتفقدون الصلوۃ ۔ روح المعانی تفسیر سورہ مومنون بحوالہ
حاکم و احمد) تم اپنے دین سے پہلے چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے اور
سب سے آخر میں نماز کی ظاہری صورت کو کھودوگے۔ نماز نہ صرف فی نفسہ
ایک اہم فریضہ ہے۔ بلکہ مسلمان کی پوری زندگی کو پاک کرنے والااور فلاح و
کامرانی کے مقام تک پہنچانے والاایک عمل بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے
۔ (ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ۔ العنکبوت ۔۵) بے شک نماز روکتی ہے۔
بے حیائی اور بری بات سے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (قد افلح المومنون ہ الذین
ھم فی صلاتھم خشعون ۔ المومنون ۔۱) یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی
نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔ اس ایت میں ان مسلمانوں کو جو نماز
خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور
خشوع ایک ایسی صفت ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور جس کا

چشمہ نماز سے ہی پھوٹتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایت کے بارے میں سوال کیا گیا۔
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔(الخشوع فی القلب وان تلین کنفک للمرءالمسلم وا
تلتفت فی صلاتک۔خشوع کا مقام قلب ہے۔اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔
کہ (تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمھارا پہلو ہر مسلمان
کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی بر تو۔اور نماز میں
ادہر ادہر نہ دیکھو۔)اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔
وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔اور کسی مسلمان کو
ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے
ہیں۔ ہیبت و جلال الہیٰ احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔اور جب الہیٰ
عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و
عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔پھر اسکی تمام
زندگی حکم الہیٰ کے تابع ہو جاتی ہے۔اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی
رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہیٰ سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء
العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

شمہ نماز سے ہی پھوٹتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے۔ کہ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایت کے بارے میں سوال کیا گیا۔
تو آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ (الخشوع فی القلب وان تلین کنفک للمرء المسلم و ا
تلتفت فی صلاتک۔ خشوع کا مقام قلب ہے۔ اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے۔
کہ (تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمھارا پہلو ہر مسلمان
کے لئے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی بر تو۔ اور نماز میں
ادہر ادہر نہ دیکھو۔) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں۔
وہ بندوں کے ساتھ عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو
ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلب نرم ہو جاتے
ہیں۔ ہیبت و جلال الہیٰ احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اور جب الہیٰ
عظمت و کبریائی انسانی قلب پر محیط ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و
عاجزی اس کے اعضا و جوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام
زندگی حکم الہیٰ کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی
رہتا ہے۔ جو اسے محارم الہیٰ سے محفوظ رکھتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء
العلوم میں ارقام فرماتے ہیں۔ کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور

غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے ۔یہاں تک کہ تنہائی اور جائے حاجت میں فروتنی کرتا ہے ۔ کیوں کہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حال پر مطلع ہیں ۔اور اللہ کی عظمت اور اپنی تقصیر کو پہچاننا ہے ۔انھیں تین معرفتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے ۔

خشوع کی یہ کیفیت جس پر طاری ہو گئی ۔ظاہر ہے ۔ کہ اسکی زندگی تمام تر عرفان الٰہی میں ڈوب کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ میں تبدیل ہوجائے گی ۔ کہ ہر وقت الٰہی عظمت اور اپنی پر قصور زندگی کی خلش اسے اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہنمائی کرے گی ۔ کہ نجات کا ذریعہ .بیماروں کی شفااور گنہگاروں کا سہارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بتلایا ہوا ملکوتی طریقہ زندگی ہے ۔جو نماز ہی سے بتدریج حاصل ہوسکتا ہے ۔حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ۔

(لما کانت فائدۃ الصلوۃ وھی الخوض فی الجۃ الشھود والا نلاک فی سلک الملائکۃ لاتحصل الا بمداومۃ علیھا و ملازمۃ بھا وا کثار منھا حتی تطرح منھم اثقالھم ولایمکن ان یومروا بما یفضی الی ترک الارتفاقات الضروریۃ والانسلاخ عن احکام الطبعیۃ بالکلیۃ او جبت الحکمۃ الالھیۃ ان یومروا بالمحافظۃ علیھا والتعھد لھا بعد کل برھۃ من

الذمان یکون انتظارھم للصلوۃ و تھیئوھم لھا قبل ان یفعلوھا و بقیۃ لونھا وصبابۃ نورھا بعد ان یفعلوھا فی حکم الصلوۃ و تکون اوقات الغفلۃ مضمومۃ بطمح بصرالی ذکر اللہ و تعلق خاطر بطاعۃ اللہ فیکون حال المسلم کحال حصان مربوط باخیۃ یتن شرفاو شرفین ثم یرجع الی اٰخیۃ و یکون ظلمۃ الخطایا والغفلۃ لا تدخل فی جذر القلوب وھذا ھو الدوام المتیسر عند ماامتنع الدوام الحقیقی ۔ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول اوقات الصلوۃ)

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی در ملائکہ کے ساتھ مجانست پیدا کر لینا بغیر نماز کی مداومت اس کے التزام اور اسکی کثرت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس (مداومت التزام و کثرت نماز) کے بغیر اثقال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتا ہے۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کا ترک کرنا اور احکام طبیعہ سے بلکل خارج ہو جانا پڑے ۔ اس واسطے حکمت الہیٰ کا مقتضیٰ ہوا کہ ان کو وقت کے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے ۔ یا کہ نماز سے پیشتر اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے

ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے ۔ اور اسکی طاعت میں دل معلق رہے ۔ پس مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا ہے ۔ جو اپنے تھان پر بندھا رہتا ہے ۔ وہ ایک دو دفعہ دو ڑ لگاتا ہے اور اپنے تھان کی طرف واپس ہو جاتا ہے اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی ۔ اور حقیقی مداومت کے ناممکن ہونے کی صورت میں یہی دوام میسر ہو سکتا ہے ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی یہی حالت تھی ۔ ان کے اعضاو جوارح دنیاوی مشاغل میں ہوتے تھے ۔ لیکن ان کے دل ذکر الٰہی سے زندہ اور ان کے قلوب مساجد میں معلق ہوتے تھے ۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ کہ یہ لوگ (صحابہ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے ۔ لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش اتا تھا تو یہ شغل ان کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتا تھا ۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے ۔ (صحیح بخاری باب التجارت فی البر مرسلاً) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ ایک دفعہ وہ بازار میں تھے ۔ نماز کی تکبیر ہوئی ۔ دیکھا کہ صحابہ نے دکانیں فوراً بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے ۔ (فتح الباری ص ۲۵۲ ج ۴ بحوالہ عبدالرازق) قرآن حکیم نے خود گواہی دی ہے ۔ (رجال لا تلھیھم تجارۃ

ولابیع عن ذکراللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ ۔(النور) وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے تجارتی کاروبار اور خرید وفروخت کی مشغولیت غافل نہیں کرسکتی۔

نماز کے بعد اس کے اثرات کے متعلق امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں ۔ کہ "یحییٰ ابن وثاب جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے رنج وغم کے آثار ظاہر ہوتے ۔(اور ابراہیم نخعی بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھہرے رہتے تھے ۔ گویا کہ بیمار ہے ۔ یہ صورت ان نمازگزاروں کی ہوتی ہے ۔ جو خشوع کرتے ہیں ۔ اور نماز کی نگہداشت اور مداومت کرتے ہیں ۔ اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور و طاقت ہوتی ہے ۔ اسکے موافق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں ۔ غور کیجئے کہ ایک شخص جب نماز سے پہلے اسی نماز کے اہتمام و انتظار میں رہتا ہے ۔ اور نماز کے بعد بھی نماز کے روحانی اور نورانی اثرات اس پر چھائے رہتے ہیں ۔ تو گویا اس کا تمام وقت نماز ہی میں گذرتا ہے ۔ اسکی خرید وفروخت اس کا کاروبار اس کے دنیوی مشاغل اسکی زندگی کی ہر حرکت نماز ہی میں شمار ہوتی ہے ۔ یقیناً ایسا شخص جو ہر وقت بارگاہ ایزوی میں حاضر ہونے کے خیال میں لگا رہے ۔ کبھی رب العزت کے

احکامات کے خلاف ورزی طبعاً نہیں کر سکتا ۔ کہ ادا کردہ نماز کی کیفیات ہنوز باقی ہیں ۔ اور دوسری نماز کے وقت پر ادا کرنے کا خیال دل میں چٹکیاں لے رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں منجو قتہ حاضری کا خیال اور مالک الملک کی بارگاہ بے نیاز میں پر قصور بندے کی بار بار طلبی رفتہ رفتہ اسے گناہوں سے قطعاً گریزاں کر دیتی ہے ۔ اور اس کے ذہن میں عبادت الٰہی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتی ہے ۔ کہ اسکی زندگی سراپا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی میں ڈھل جاتی ہے ۔ اس کا دل ہر وقت جذبہ عبادت سے معمور اور اسکے اعضاو جوارح اوامرالٰہیہ کی پابندی میں مشغول رہتے ہیں ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ "قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا ۔ جن میں ایک شخص کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے ۔ (رجل قلبہ معلق فی المسجد ۔ بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش ص ۱۰۰۵ ج ۲) وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹک رہا ہو (یعنی ہر وقت نماز کے خیال و فکر میں رہتا ہو) الغرض نماز کی باقاعدہ ادائیگی اور دربار الٰہی کی حاضری کی پیہم فکر انسانی خیالات و اعمال کو یکسر بدل کر رکھ دیتی

نہے ۔ شاید اسی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ (راس الامر الا
سلام وعمودہ الصلوۃ ۔ جامعہ ترمذی جلد ثانی باب ماجاء فی حرمۃ الصلوۃ ص ۸۶
دینی زندگی کا سرا اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے ۔) اور عارف سرہندی
کے اس قول کا بھی یہی غالباً مدعا ہے ۔ "اگر نماز کو کامل طور پر ادا کر لیا تو
گویا اسلام کا اصل عظیم حاصل ہو گیا ۔ اور خلاصی کے لئے حبل متین ہاتھ
آ گئی" ۔ (مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰۴)

قیامت میں بھی نماز ہی انسانی اعمال کا معیار و میزان ہو گی ۔ اگر وہ صحیح
ٹھہری تو نجات یقینی ہے ۔ ورنہ خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔ امام
ترمذی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ۔ (قال سمعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ من عملہ صلاتہ فان
صلحت فقد افلح ونجح وان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فریضتہ شیاً قال
الرب تبارک و تعالیٰ انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بھا ما انتقص من
الفریضۃ ثم یکون سائر عملہ علیٰ ذالک ۔ جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۱ باب ماجاء ان اول
ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ الصلوۃ ۔ ابوہریرۃ کہتے ہیں ۔ کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ۔ کہ قیامت میں بندے کا سب سے پیشتر

نماز کا حساب ہو گا ۔ اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح و نجات پا جائے گا ۔ اور اگر نماز خراب نکلی تو تباہ اور خسارہ پانے والوں میں ہو جائے گا ۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ۔ میرے بندے کی نفلی نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کرو پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا ۔) پھر یہ نماز جس طرح آخرت میں فلاح و کامیابی کا وسیلہ ہے ۔ اور جس طرح یہ ہماری انفرادی زندگیوں کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے ۔ اسی طرح جسم ملت میں اجتماعیت کی روح پھونکنے اور امت اسلامیہ کے متفرق موتیوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنے کا نسخہ بھی یہی نماز ہے ۔ اسلام میں نماز با جماعت کی جو اہمیت ہے ۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے ۔ (قال من سره ان یلقی اللہ تعالیٰ غداً مسلماً فلیحافظ علیٰ ھٰؤلاء الصلوات حیث ینادیٰ بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدیٰ وانھن من سنن الھدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم وما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی مسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ ویرفعہ بھا درجۃ و یحط عنہ بھا

سیۃ و لقد رائینا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یوتی بہ یھادی بین الرجلین حتیٰ یقام فی الصف ۔ صحیح مسلم باب فضل صلوۃ الجماعۃ حیث ینادی بھا ص ۲۵اج ۱) حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں ۔ کہ جس کی خواہش ہو کہ کل (قیامت کے روز) وہ اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے ۔ اسے چاہئے کہ ان نمازوں کو پابندی سے وہاں مسجد میں جماعت سے ادا کرے جہاں سے ان نمازوں کیلئے ندا (یعنی اذان دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی علیہ السلام کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں ۔ اور یہ نمازیں ان ہدایت کے طریقوں ہی میں سے ہیں ۔ اور اگر تم اس جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے ۔ گھروں میں نمازیں پڑھو گے تو اپنے نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے ۔ اور اگر تم اپنے نبی علیہ السلام کی سنت کو چھوڑ دو گے ۔ تو گمراہ ہو جاؤ گے ۔ جو شخص بھی اچھی طرح وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے ۔ اللہ اسکے ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے ۔ ایک درجہ بڑھاتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے ۔ اور ہم (صحابہ) دیکھتے تھے ۔ کہ نماز جماعت سے صرف غیر حاضر ایسے ہی اشخاص ہوتے تھے ۔ جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا ۔ اور یہ حالت

بھی ہم نے دیکھی تھی۔ کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ) سے دو آدمیوں کے درمیان میں گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر یا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے۔ (عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسافی بعض الصلوۃ فقال لقد ھممت ان امر رجلاً یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنھا فامر بھم فیحرقوا علیھم لجزم الحطب بیوتھم ولو علم احدھم انہ یجد عظماً سمیناً یشھدھا یعنی صلوۃ العشاء (صحیح مسلم باب فضل الصلوۃ بخاری باب وجوب صلوۃ الجماعۃ باختلاف یسیر) حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میرے جی میں آتا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں پھر خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو جماعت کے نماز سے بیٹھ رہتے ہیں۔ (یعنی نماز میں نہیں آتے) پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے گھر جلادیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے چکنی وچرب ہڈی (جیسی حقیر) چیز بھی ملتی تو (دنیاوی فائدے کی لالچ کی وجہ سے) ضرور عشاء کی جماعت میں وہ اتا۔ امام احمد نے اسی قسم کا مضمون

ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (قال لو لامافی البیوت من النساء والذریۃ اقیمت صلوۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون مافی البیوت بالنار۔ مشکوۃ ص ۹۷ باب الجماعۃ و فضلھا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ان (لوگوں کے) گھروں میں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں عشاء کی نماز شروع کراتا۔ اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ ان گھروں میں جو کچھ ہے۔ اسے آگ سے جلا دو۔ جماعت کی تاکید اور اہمیت کے بارہ میں چند روایتیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے اذان سنی اور پھر بغیر عذر کے اس کی اجابت (یعنی جماعت کے ساتھ نماز ادا) نہ کی۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن ماجۃ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعہ مشکوۃ باب الجماعۃ و فضلھا بحوالہ دار قطنی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آدمی کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہے۔ کہ آذان سنے اور نماز کو نہ آوے۔ (احیاالعلوم غزالی) ابن ماجۃ اسامۃ ابن زید سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (لینتھین رجال عن ترک الجماعۃ اولاحرقن بیوتھم۔ ابن ماجہ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ) لوگ ترک جماعت سے باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ

لکھوادوں گا۔ امام ترمذی نے ابن عباس کا ایک فتوی نقل کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ قرن اول میں ترک جماعت کو کتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

(قال مجاهد وسئل ابن عباس عن رجل يصوم النهار و يقوم الليل لا يشهد جمعة ولا جماعة فقال هو في النار ۔ سنن ترمذی باب ماجاء فيمن سمع النداء فلا يجيب) مجاہد کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس سے ایسے شخص کی نسبت پوچھا گیا جو دن کو روزہ رکھتا ہو رات قیام کرتا ہو اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔ یعنی جہنم میں جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی بستی میں یا صحرا میں اگر تین آدمی بھی ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا تسلط ہے۔ یہ حدیث مشہور صحابی ابوالدردا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ (سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من ثلثة في قرية ولا بدو لا تقام فيهم الصلوة الا قد استحوذ عليهم الشيطان فعليكم بالجماعة فانما ياكل الذئب القاصية قال السائب يعني بالجماعة في الصلوة ۔ سنن نسائی باب التشديد في ترك الصلوة مشكوة ص ٩٦) ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ اگر کسی قریہ یا صحرا میں تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت سے نماز قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غلبہ پائے گا۔ پس جماعت کی پابندی کرو کہ بھیڑیا (گلہ سے پرے اکیلی)

بکری کو کھاجاتا ہے۔ سائب راوی کہتے ہیں۔ "کہ جماعت سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے"۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے نماز کا ثواب بھی بدر جہا بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ صحاح کی یہ مشہور حدیث ہے۔ (قال صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ۔ بخاری باب فضل الجماعۃ، مسلم باب فضل الجماعۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جماعت کے ساتھ کی نماز اکیلی نماز پڑھنے سے ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ "جماعت کی نماز اکیلی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہے" حضرات محدثین نے پچیس اور ستائیس کے اس فرق کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ یہ فرق اخلاص اور باطنی کیفیات کی وجہ سے ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ جماعت سے نماز پڑھنے کی فضلیت ہی کے بارہ میں چند حدیثیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ (قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعظم الناس اجرافی الصلوۃ ابعد ھم فابعدھم ممشی والذی ینتظر الصلوۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرآ من الذی یصلی ثم نیام۔ (صحیح بخاری باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃ ورواہ مسلم نحوص ۲۳۵ ج ۱) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر پانے

والاوہ شخص ہے ۔جو مسجد سے سب سے زیادہ دوررہتا ہے۔(کہ جتنے زیادہ قدم
مسجد کی طرف اٹھائے گا۔ اتنا اجر زیادہ ہوگا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہے
۔یہاں تک کہ امام کے ساتھ جماعت سے پڑھ لے وہ اس شخص سے بہت
زیادہ ثواب پانے والا ہے جو اکیلا پڑھ کر سو جاتا ہے ۔ صحیح بخاری میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے ۔ کہ (قال لم یعلم الناس مافی الندء والصف
الاول ثم لم یجدوا الا ان یستھموا علیہ لا ستھموا علیہ ولو یعلمون مافی التھجیر لاستبقوا
الیہ ولو یعلمون مافی العتمۃ والصبح لا توھما ولو حبوا ۔ بخاری جلد اول باب فضل
التھجیر) نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔ کہ اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر
وثواب کا علم ہو جاتا تو ان کے حصول کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی (
کہ ہر شخص خود یہ فضیلت لینا چاہتا) اور اگر لوگوں کو دوپہر میں پہلے آنے کا
اجر معلوم ہوتا تو ضرور اس کی طرف (جلدی) بڑھتے ۔ اور اگر صبح اور عشاء (کی
جماعت) کی نماز کا اجر معلوم ہوتا تو گھسٹتے ہوئے (مساجد) میں پہنچتے ۔
عبدالرحمن ابن ابی عمرہ کہتے ہیں ۔ کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ
مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور اکیلے بیٹھ گیے ۔ عبدالرحمن
کہتے ہیں ۔ کہ میں بھی ان کے ساتھ جا بیٹھا ۔ مجھے فرمانے لگے ۔ کہ اے بھتیجے

! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب قیام (عبادت الٰہی میں) گزار دی۔ اور جس نے صبح (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ تمام رات نماز میں مصروف رہا۔ (مراد یہ ہے کہ اسے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ صحیح مسلم باب فضل صلوۃ الجماعۃ)۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں اس حالت بیٹھا رہتا ہے۔ کہ اس کے اہل کی طرف جانے سے سوا نماز کے دوسری چیز مانع نہیں ہوتی (یعنی خالص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے) اس کا یہ تمام انتظار کا وقت نماز ہی میں محسوب ہو گا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۵ ج ۱) جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے پرے (کچھ دور) تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بیچ کر مسجد کے قریب سکونت اختیار کرلیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا۔ اور کہا کہ مسجد (کی طرف نماز کی نیت سے آنے پر) ہر ہر قدم پر تمھیں درجہ ملتا ہے۔ (صحیح مسلم باب فضل المکتوبہ) بریدہ اسلمی سے روایت ہے۔ (عن بریدۃ الاسلمی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد

بالنور التام یوم القیامۃ ۔ جامع ترمذی باب جاء فی فضل العشاء والفجر فی جماعۃ وقال الترمذی ھذا حدیث غریب) بریدۃ اسلمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۔ کہ رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو ۔ ابن ماجہ نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ (لمن صلی فی مسجد جماعۃ اربعین لیلۃ لا تفوتہ الرکعۃ الاولی من صلوۃ العشاء کتب اللہ لہ عتقا من النار ۔ ابن ماجہ صلوۃ العشاء والفجر فی جماعۃ) جس نے چالیس رات مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی کہ عشاء کی پہلی رکعت اس سے فوت نہ ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جہنم سے ازادی دے گا ۔ احیاء العلوم میں امام غزالی نے نقل کیا ہے ۔ کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں :۔ (من صلی اربعین یوماً الصلوات فی جماعۃ لا تفوتہ فیھا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ براء تین براءۃ من النفاق و براءۃ من النار) جو شخص چالیس روز جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ اسکی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دو آزادیاں لکھ دیتا ہے ۔ ایک نفاق سے اور دوسرے دوزخ کی آگ سے ۔ جماعت کی یہی فضیلت تھی ۔ جس کی وجہ سے نبی علیہ السلام دو اور تین

آدمیوں کو بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے ۔ مالک ابن الحویث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ کہ میں اور میرا ایک دوسرا ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جب ہم آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ۔ (اذاحضرت الصلوۃ فاذنا ثم انیما ولیوء مکما اکبر کما ۔ صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ ۔ بخاری نے اس حدیث کے آخری الفاظ روایت کیئے ص۹۰ ج ۱) جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دو پھر دونوں نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور تم دونوں میں سے بڑا امامت کرے ۔ سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنا ثلثۃ ان یتقدمنا احدنا ۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی مع الرجلین) ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب ہم تین آدمی بھی ہوں تو ایک آگے بڑھے (یعنی نماز با جماعت ادا کی جائے) ابو سعید کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تین آدمی ہوں تو ایک ان میں سے (نماز میں) امامت کرے اور امامت کا ان میں سے زیادہ حقدار قرآن کا زیادہ جاننے والا ہے (او کما قال) (سنن نسائی الجماعۃ اذا کانو اثلثۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات تھیں ۔ جنھوں نے مسلمانوں کو جماعت کا اس قدر پابند بنا دیا تھا ۔ کہ

جماعت کے بغیر انھیں چین ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں اذان واقامت کہہ کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری باب وجوب صلوۃ ---) امام بخاری نے حضرت اسود ابن یزید (مشہور تابعی) کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ جب ان سے ایک مسجد میں جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (کہ جماعت مل جائے) صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ کہ میمون ابن مہران مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ کہا اس جماعت کی فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ سعید ابن مسیب فرماتے ہیں۔ کہ بیس برس کے عرصہ سی میرا یہ حال ہے۔ کہ جب موذن نے اذان دی تو میں مسجد میں ہوتا ہوں۔ (احیاالعلوم) امام مالک نے ابو بکر ابن سلیمان سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح بازار جایا کرتے تھے اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کی درمیان تھا۔ آپ کا گزر سلیمان کی والدہ شفاء

پر ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا وجہ ہے۔ کہ اج سلیمان صبح کی نماز میں حاضر نہیں تھے۔ سلیمان رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا (نامی) نے جواب دیا کہ تمام رات وہ بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے ہیں اور صبح کے وقت نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں تو مجھے یہ تمام رات کے قیام سی زیادہ عزیز ہے۔ (مشکوٰۃ باب الجماعت وفضلہا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود جس قدر جماعت کی پابندی کرتے تھے۔ اس کا اندازۃ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ مرض وفات میں بھی جب تک ممکن تھا۔ آپ علیہ السلام نے جماعت ترک نہیں کی۔ اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے نکلے۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا۔ تو دو آدمیوں کے سہارے اسی وقت مسجد تشریف لا کر شریک جماعت ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں:۔ فخرج یھادی بین رجلین کانی انظر الیٰ رجلیہ تخطان الارض من الوجع۔ نبی علیہ السلام دو

آدمیوں کے درمیان ان پر سہارا کرتے ہوئے نکلے ۔ گویا کہ میں آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر درد کی شدت سے گھسٹتے چلے جارہے ہیں ۔ اوراٹھا نہیں سکتے ۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا ۔ نبی علیہ السلام نے انھیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کو کہا ۔ اوران کے پہلو میں آکر بیٹھ گیے ۔ اور نماز ادا کی ۔ (صحیح بخاری باب حد المریضان یشھد الجماعۃ) آپ علیہ السلام کی ارشادات و عمل نےصحابہ کو جماعت و مساجد کا شیدا کر دیا تھا ۔ اور جماعت کی پابندی اور مساجد میں اس باہمی میل جول نے انھیں اخوت کےحقیقی رشتوں میں جوڑ کر آہنی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا ۔ اورمحبت والفت کا وہ جذبہ دلوں میں پیدا کر یا تھا ۔ کہ ملت اسلامیہ کی حیثیت باہمی ہمدردی میں جسدواحد کی ہو گئی تھی کہ اگر ایک مسلمان بھائی کا سر دکھتا تھا ۔ تو دوسرا بے قرار ہو جاتا تھا ۔ ایک کو تکلیف پہنچتی تھی ۔ تو دوسرا بے تاب ہو جاتا تھا ۔ اجتماعیات کے واقف جانتے ہیں ۔ کہ قوم و ملت کا قالب ہمیشہ اس روح سی قائم رہتا ہے ۔ جو اسکی جماعتی زندگی کا شیرازہ اس جذبہ یا تعلق سے مربوط رکھتی ہے جو جذبہ مختلف الخیال اشخاص کوایک رشتہ میں منسلک کرتا ہے ۔ یہی تعلق و جذبہ ہوتا ہے جو اقوام و ملل کی رگ زیست

کا حکم رکھتا ہے۔ جب مختلف الخیال اشخاص وافراد پر خیالات و کیفیات کی ایک ہی روح طاری ہوجاتی ہے تواس جذبہ قومی کی تخلیق ہوتی ہے یہی جذبہ قومی ہے۔ جس سے قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور امت مرحومہ میں اس جذبہ کی پرورش و ترقی کاایک خاص ذریعہ نماز باجماعت بھی ہے۔ جوایک طرف باہمی ربط و ضبط 'الفت ومحبت پیدا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ الہی رابطہ پیدا کرتی ہے۔ جو ملت اسلامیہ کے شیرازے کی زریں ملک اور آہنی کڑی ہے۔ اور یہی تعلق و رابطہ تمام ملت اسلامیہ کوایک الہی رنگ میں رنگ کرامت مسلمہ کی تخلیق کاباعث بنتا ہے۔ کہ ان کامرناجیناسب اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ روزانہ ایک امام کے پیچھے پانچ وقت نماز ہم میں طاعت امیر' ضبط و نظم 'ہمدردی و مواسات 'باہمی محبت و الفت کاجذبہ پیدا کرکے ہماری رگوں میں اجتماعیت کاوہ خون دوڑاتی ہے۔ جو قوموں کے لئے حیات تازہ کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ہمارے دن اچھے تھے۔ تو ہماری قومی زندگی کا ہر چشمہ ہماری مساجد ہی سے پھوٹتا تھا۔ قرن اول میں الصلوۃ جامعۃ' کی منادی کے بعد ہر مشکل و اہم قومی مسئلہ کی گرہ کشائی 'ذکر و علم کے حلقے 'جیوش کی روانگی 'مقدمات کا فصل 'ملی مشورے سب مسجد ہی میں ہوتے تھے۔

غرض ہماری پوری اجتماعی زندگی مسجد ہی کے محور کی گرد گھومتی تھی۔
اسلام میں مسجد کی جو اہمیت ہے۔ وہ سرف اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کی تعمیر بھی مسجد ہی کی بنیادوں پر کی گئی چنانچہ ہجرت مدینہ (جو کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کا نقطہ آغاز ہے) کے بعد معمار امت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو عظیم الشان کام سرانجام دیا۔ وہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ تعمیر کے وقت سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم مزدوروں کے لباس میں خود پتھر اٹھا رہے تھے۔ اور زبان کلمات جاری تھے۔(اللھم انہ لا خیر الاخیر الاخرۃ۔ فانصر الا نصار والمھاجرۃ۔ بخاری ص ۵۵۹ ج ا باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ) اے اللہ بھلائی تو حقیقتاً چیز آخرت ہے۔ تو انصار و مہاجرین کی مدد کر کہ وہ خیر آخرت کے طالب ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رجز کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہے۔ کہ خیر آخرت جو اسلامی حیات طیبہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ مسجد ہی کے دامن میں برگ وبار پیدا کرتی ہے۔ اور ملت حنیفی کے موسس اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کعبہ (دنیا کی سب سے پہلی مسجد) کی دیواریں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید

نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ (واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ہ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اور جب اٹھا رہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے۔ کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگا ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے۔ جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلا دیجئے۔ اور ہمارے حال پر توجہ رکھئے۔ اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔ تو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا میں بھی اس طرف اشارہ تھا۔ کہ امت مسلمہ کی زندگی مسجد سے ہی کسی نہ کسی طرح وابستہ ہے۔ نماز و مسجد کا اسلامی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر میں جو حصہ ہے اس کو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ فرماتے ہیں "ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

کہ نماز اسلام کا اولین شعار اور اسکے مذہبی و اجتماعی' و تمدنی و سیاسی' و اخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ اسی کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا ۔ اور اسی کی گرہ کھل جانے سے انکی نظم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے ۔ مسجد مسلمانو کے ہر قومی اجتماع کا مرکز اور نماز اس مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔ جس طرح آج ہر جلسہ کا افتتاح اسکے نصب العین کے اظہار و تعین کے لئے صدارتی خطبات سے ہوتا ہے ۔ اس طرح مسلمان جب زندہ تھے ۔ ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز اسکے تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی ۔ ان کی نماز کا گھر ہی ان کا دارالامارۃ تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا۔ وہی بیت المال تھا ۔ وہ ہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہ درسگاہ اور وہی معبد تھا۔ جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد' افراد کے باہمی ربط و ارتباط پر ہے ۔ اور جماعت کے فائدہ کے لئے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش اور فائدہ کو قربان کر دینا' اور اختلاف باہمی کو تہ کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اسکے حصول کی لازمی شرط ہے ۔ اسی کی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرلینا ضروری ہے ۔ اسلام کی نماز الٰہی رموز و اسرار کا گنجینہ

ہے۔ یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت' اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدت و
قوت کا سبق دن مین پانچ بار سکھاتی ہے۔ اسی لیے اس کے بغیر مسلمان نہیں'
اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہے۔ نہ انقیاد امامت ہے نہ زندگی ہے۔ اور نہ
زندگی کا نصب العین ہے۔ اسی بنا پر داعی اسلام علیہ السلام نے یہ فرمادیا۔(
العھد الذی بیناو بینھم الصلوۃ، فمن ترکھا فقد کفر۔ أحمد' ترمذی' نسائی' ابن
ماجہ) ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے۔ وہ نماز ہے۔ تو جس نے اسکو
چھوڑا' اس نے کفر کا کام کیا۔ کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالب بے
جان' شراب بے نشہ اور گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی
جماعت کا ایک ایک شعار اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو
جاتی ہے۔ اسی لیے نماز اسلام کا اولین شعار ہے۔ اور اسی کی زندگی سے اسلا
کی زندگی ہے (سیرت النبی طبع دوم جلد پنجم ص۱۹) سطور بالا پر ایک نظر غائر
ڈالنے سے ملت اسلامیہ کی بقا و ترقی' تنزل و اضمحلال میں اقامت صلوۃ اور
اضاعت نماز' کی جو تاثیر ہے۔ وہ صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور نص قرآنی اس
پر شاہد عدل ہے۔ کہ نمازوں کی بربادی اقوام و ملل کی بربادی کا بڑا سبب ہے
۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ (فخلف من بعد ھم خلف اضاعو الصلوۃ و اتبعوا الشھوات

فسوف یلقون غیا ۔ مریم ۔۴) پھر ان کے بعد (بعضے) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا ۔ اور (نفسانی ناجائز) خواہشات کی پیروی کی سو یہ لوگ (عنقریب) خرابی دیکھیں گے ۔

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند ० گریبان شہنشاہاں کشیدند

چوں آں آتش درون سینہ افسرد ० مسلماناں بدر گاہاں خریدند

ملت کے بھٹکے ہوئے قافلے کو اس کی اصلی منزل پر ڈالنے ۔ مسلمانوں کے تن بے روح میں حیات اسلامی کا تازہ خون پیدا کرنے اور صدیوں کے ملی جمود کو توڑنے کا آسان ترین ذریعہ یہی ہے ۔ کہ امت اسلامیہ جسکی اکثریت اسلام کے سب سے بڑے اس فریضہ کو بھلا کر اپنے کو تباہیوں اور بربادیوں کے دامن میں پھینک چکی ہے ۔ اسے پھر مساجد کی طرف لایا جائے ۔ کہ مساجد کی آبادی اور نماز کی باقاعدہ ادائیگی سے ہی قوام ملت مزید اضمحلال سے بچ سکتا ہے ۔ اور "معراج المومنین" کا تمسک و اہتمام ہی ہماری گرتی ہوئی ملی عمارت کو سہارا دے سکتا ہے ۔ جس طرح قرن اول میں اسلامی زندگی مسجد نبوی میں پختہ ہو کر عالم کی سیرابی کا باعث بنی تھی ۔ آج بھی بیوت الہیہ کی طرف مسلمانوں کا عود ہی ان پر اسلامی زندگی کی راہیں کھول کر عالم کی

بیا نقش دگر ملت بہ ریزم کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است

یہ عالم اور اس کی تمام کائنات ظاہری نظر میں ہمارے احساسات کا کرشمہ ہے۔ جو کچھ ہمارے حواس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے اسی کو ہم اپنا عالم تصور کرتے ہیں۔ گویا ہماری دنیاوی زندگی کا سارا کاروبار اور تمام جھمیلا ہمارے حواس کی عطا کردہ معلومات پر استوار کیا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے اعمال و افعال کی منطقی تحلیل کریں تو یہ ظاہر ہو جائے گا۔ کہ ہمارا ہر عمل نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس ذہنی اندازے و تصور کا جو مستقبل کے متعلق ہماری عقل کرتی ہے۔ اور ہماری عقل کی دسترس انہیں اسباب و نتائج پر بنا کردہ اندازوں تک ہے جو ہمارے حواس کی نظر میں آفرینش آدم سے رونپذیر ہوتے چلے آئے ہیں۔ گویا اس حیاتِ فانی کا تمام مشغلہ ظن و تخمین کی یہی خیالی قدریں اور ان کے اثرات ہیں جنہیں ہم اپنے حواس ظاہرہ سے جان رہے ہیں اور اسی علم کی بنا پر تمام عالم لادینی نظامات کا آماجگاہ بن رہا ہے۔ اور دنیاوی زندگی کی تمام کثافتیں اسی علم کے برتے پر پھیل رہی ہیں

عشق ناپید و خرد مے گزدش صورت مار — عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

لیکن اس حیاتِ تخمین وظن کے سوا ایک اور زندگی بھی ہے جو ہماری شبِ تاریک کے لئے نور، ہماری درماندگیوں کا علاج اور انسانیت کے زخموں کا مرہم ہے۔ وہ حیات گو اس عالم سے پرے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن یہ زندگی اس کا عکس اور اس یقین کا نتیجہ بن کر سراپا راحت وچین میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس زندگی کا علم ہمیں مخبر صادق، اعلم النّاس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے دیا ہے۔ اور جس طرح ہماری موجودہ زندگی حواس کی اس واقفیت پر مبنی ہے جو انسانی توارث کے ذریعے ہمیں پہنچی ہے۔ اور جس کے تواتر اور ہمہ گیر ہونیکی وجہ سے ہم نے اس وہم کو حقیقت سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ وثوق کے ساتھ آنے والی زندگی کے حقائق ہمیں اس ذات والا صفات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ملے ہیں جس کی سچائی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی صداقت کی وجہ سے اس کے دشمن بھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ لگا سکے

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (سورۃ الانعام ع ۴)

(سو یہ لوگ (کفار و مشرکین) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

آپ نے ہمیں ایک آنے والے عالم کی خبر دی کہ اللہ کا وہ فرستادہ دنیا و آخرت کے اس سنگم پر تھا جہاں دنیا و عقبیٰ اپنے تمام اسرار کو منکشف کیے ہوئے اس کے سامنے تھی جس کی تمثیل اس امی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے پہاڑی کے وعظ میں عملاً پیش کی کہ جس طرح کوہ صفا کی دونوں طرف کی بستیوں کے حالات اسے صاف نظر آرہے تھے۔ اسی طرح اس فانی عالم اور باقی رہنے والی دنیا کے حالات اس کی نبوی نگاہوں کے سامنے پست تھے۔ چنانچہ

امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ:-

لمّا نزلت وانذر عشیرتک الاقربین ورھطک منھم المخلصین خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صعد الصفا فھتف یا صباحاہ فقالوا من ھذا فاجتمعوا الیہ فقال ارایتم ان اخبرتکم ان خیلاً تخرج من صفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی قالوا ما جربنا علیک کذبا. فقال انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید

(صحیح بخاریؒ صفحہ ۷۴۳، جلد دوم کتاب زیر سورت تبت یدا)

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرائیے اور ان میں جو مخلص گروہ ہے اسے بھی ڈرائیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر (عرب کے مدد چاہنے والوں کی طرح) پکارے یا صباحاہ! لوگوں نے کہا یہ کون مدد کے لئے پکار رہا ہے اور آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ ایک فوج پہاڑی کے اس جانب سے تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا میرا کہنا باور کرو گے۔ حاضرین نے کہا آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا (اس لئے آپ کی بات کیوں نہ مانیں گے) آپ نے فرمایا میں ایک سخت عذاب سے پیشتر تمہیں ڈرانے والا ہوں۔

یہی حیات اخروی کی یاد دہانی تھی۔ عالم آخرت اور حیات بعد الموت کی خبر تھی کہ اسلامی زندگی کی بنیادیں تمام تر عالم آخرت کے ایمان و یقین پر اٹھائی ہیں۔ کہ جب تک جزاو سزا کا یقین راسخ نہ ہو اعمال کی اصلاح محال ہے۔ اسی وجہ سے قرآن و حدیث کا صفحہ صفحہ عالم معاد کی پردہ کشائی کرتے ہوئے اس پر ایمان کامل کی دعوت دے رہا ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر مسلمان ہونا ناممکن اور ایمانی دائرے میں داخل ہونا محال ہے۔ کہ اس عالم میں جس طرح ہر فعل کا کوئی

کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوتا ہے ۔ اسی طرح اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے ۔ کہ تمہارے دنیاوی ہر عمل کا نقشہ تمہاری آنے والی زندگی پر ثبت ہو رہا ہے اور تمہارے ہر فعل کا اثر و سایہ ایک آنے والے عالم پر پڑ رہا ہے ۔ جہاں تمہیں تمہارے ہر کام کا ثواب و عذاب جزا و سزا مل جائیگی ۔ قرآن کریم ایک جگہ مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو ظاہر فرمارہا ہے ۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ	اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقف حساب سے) واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات) کو دیکھ لیں سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا ۔ وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا ۔ اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا ۔ وہ اس کو دیکھ لے گا ۔
(الزلزال ــــ ۱)	

خدائے عزّوجل کے آخری فرستادہ محمد الرّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے اعمال کی ترغیب و ترہیب کے ضمن میں ان اعمال کے فضائل اور ان سے متعلق وعیدوں پر گفتگو فرمائی ہے یہاں تک کہ ایک ایک دنیاوی عمل کی اخروی حقیقت کلیتاً اجاگر ہو گئی ہے ۔ اور اب ہر شخص کتاب و سنّت سے معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں کام کی اخروی جزا و سزا کیا ہو گی ۔ یا اس کے اس عمل کا آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑے گا ۔ اور جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحبؒ نے فرمایا ہے :۔

"خدائے تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہ بڑی نعمت ہے کہ اس نے وحی کے ذریعے سے انبیاء علیہم السّلام کو اعمال پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب کو بتلا دیا ، تاکہ وہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دیں ۔ اور لوگوں کے قلوب اس ثواب و عذاب کو سن کر بیم و رجا سے مملو ہو جائیں اور اپنے ذاتی مقصد و ارادہ سے لوگ ان

شرائع کی پابندی کریں جیسے اور باقی امور میں خوف و امید کیا کرتے ہیں ۔
جن سے کوئی ضرر دور ہو جاتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہو جاتا ہے ملا

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب اسرار الترغیب الترہیب)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال کو اللہ کا حکم اس کی رضا کا ذریعہ اور ایمان کی تکمیل کا سبب سمجھتے ہوتے (ایماناً) اور اس پر موعود اجر و ثواب کے ملنے کا کامل یقین دوھیان رکھتے ہوئے (احتساباً) کرنے کا حکم دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے ۔ کہ آپ نے فرمایا :-

من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه	جس نے رمضان کا قیام اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین کرتے ہوئے اور اجر و ثواب کے شوق میں کیا اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دے گا ۔
(بخاری باب تطوع قیام رمضان من الایمان)	

دوسری حدیث ہے ۔

من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه ۔	جس نے رمضان کے روزے ایمانی خصلت اور اجر و ثواب کی نیت سے رکھے اللہ اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر دے گا ۔
(بخاری باب صوم رمضان احتساباً من الایمان)	

ایک جگہ ارشاد فرمایا :-

من اتبع جنازة مسلم ایماناً واحتساباً و کان معه حتی یصلی علیها ویفرغ من دفنها فانه یرجع من الاجر بقراطین	جو مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایماناً و احتساباً گیا ۔ اور اس کے ساتھ اس پر نماز جنازہ پڑھنے اور اس کے دفن سے فارغ ہونے تک رہا وہ احد کے پہاڑ

کل قیراط مثل احد الخ (بخاری باب اتباع الجنائز من الایمان)

کے برابر بڑے دو قیراطوں کا اجر لے کر واپس آئے گا۔

ابو مسعود انصاری رضؓ سے آپ نے فرمایا:۔

اذا انفق المسلم نفقة علی اهله وهو یحتسبها کانت له صدقة ۔

جب مسلمان ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے۔

(بخاری کتاب النفقات ص ۸۰۵/۲ ج)

ایمان واحتساب کی یہ کیفیت مسلمان کے ہر عمل پر طاری ہونی چاہیئے اور اس کی نگاہ ہر وقت آخرت کی زندگی پر جمی رہنی چاہیئے کہ اسے وہاں اس کام کا کیا اجر و ثواب ملے گا اور اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا نتیجہ اور ثمرہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ میرے پروردگار مجھ سے راضی ہو کر اپنی عنایات سے مجھے نوازیں گے۔ کیونکہ ہر عمل کی اصلی روح اس عمل کا خاص ذات الٰہی کے لئے کرنا ہے۔ اور اس پر اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ وہ بھی اسی الٰہی تعلق کی کمی بیشی کے مطابق ہوتا ہے۔ کہ اعمال کی اصلی عظمت اوامر الٰہی کی پیروی و امتثال ہے۔ غرض اسلامی زندگی کا ہر عمل امر الٰہی کی عظمت سے متاثر اور اخروی زندگی کے نتائج کا حامل ہوتا ہے اور مسلمان ہر فعل اس تصور کو سامنے رکھ کر کرتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اس کا نتیجہ اخروی زندگی میں مجھے ملے گا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے امر و نہی کے وقت ایمان باللہ والیوم الآخر کی یاد دہانی کرا دیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:۔

لا یحل لامراة تومن باللہ والیوم الاخر تحد علی میت فوق ثلث الا علی

کسی عورت کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہو سوا اپنے خاوند کے تین روز سے زیادہ

زوج اربعة اشهر وعشراً — سوگ جائز نہیں، خاوند پر چار ماہ

(بخاری باب تلبس الحادة ثیاب العصب) — دس دن تک سوگ ہے

کہ جب ایمان باللہ کی کیفیتیں مسلمان کے قلب میں رسوخ کرتی ہیں اور جب اعمال کے نتائج کا سماں یوم آخرت کے درمیان سے متمثل ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تو امر الٰہی پر عمل پیدا ہوئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

اور علم کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب اندرونِ قلب پر فیضانِ الٰہی ہوتا ہے تو ایمان قلب میں رچ جاتا ہے اور نبوت کا ہر قول بغیر کسی ظاہری دلیل کے حقیقت بن کر نبوی زندگی کی راہیں بندۂ مومن پر کشادہ کر دیتا ہے اور رسوخ فی العلم سے مراد بھی قلب میں یقین کا اس طرح پیوست ہو جانا ہے کہ نبوت کا ہر قول عریاں حقیقت معلوم ہونے لگے۔ گویا علم ایک نور ہے جو انسانی قلوب پر بارگاہ خداوندی سے ڈالا جاتا ہے۔ اور جس کی روشنی سے قرآن و سنت کی حقیقتیں منکشف ہو کر انسان کو اسلامی زندگی پر عمل پیرا کر دیتی ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی امانت سے مراد توحید کے علاوہ یہی علم و نور ہو۔ (واللہ اعلم)

ان الامانة نزلت فی جذر — امانت لوگوں کے قلوب کی جڑ میں

قلوب الرجال ثم علموا من — اتاری گئی۔ پھر انہوں نے قرآن

القرآن ثم علموا من السنة۔ — کے علم کو جانا پھر سنت کو جانا۔

(بخاری باب اذا بقی فی حثالة من الناس)

(جلد دوم)

کہ قرآن و سنت کا علم محض پڑھنا پڑھانا نہیں۔ بلکہ ایک نور ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوت کے ذریعے صادر کیا گیا۔ اور جس کی اصل الٰہی فیضان ہے۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔

لیس العلم بکثرة الروایة — کثرتِ روایات کا نام علم نہیں ہے۔ بلکہ

وانما العلم نور یقذفہ اللہ فی قلوب الرّجال — وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے لوگوں کے قلوب میں ڈالا جاتا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

قلوب میں جب یہ نور ڈالا جاتا ہے۔ تو علم کی عظمت قلوب پر طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ منقاد ہو جاتے ہیں ان میں خشیت و خشوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں یہ نور بڑھتا جاتا ہے۔ خشیت الٰہی بڑھتی جاتی ہے۔ کہ علم کی حقیقی نسبت اللہ عزوجل کی ذاتِ عالی سے ہے۔ اور اس نسبت کی وجہ سے وہ اس جلال و عظمت کا حامل ہے۔ جو پہاڑوں کا پتا پانی اور چٹانوں کی سختی کو سرمہ بنا دے۔

لو انزلنا ھذا القراٰن علٰی جبلٍ لرایتہ خاشعًا متصدعًا من خشیۃ اللہ۔ (الحشر — ۲۱) — اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔

(ترجمہ امام تھانوی ؒ)

اور یہی وجہ ہے کہ عظمت الٰہی کے دیرینہ رازداروں (فرشتوں) پر جب (ملاءِ اعلیٰ میں) امرِ الٰہی کا وقوع۔ وحی الٰہی کے تکلم سے ہوتا ہے تو اس کی ہیبت و عظمت سے ان کے قلوب پر دہشت چھا جاتی ہے۔ اور ڈر جاتے ہیں۔ جب کچھ دیر بعد ان کے قلوب سے یہ حالت دور ہوتی ہے تو آپس میں کہتے ہیں۔ تمہارے رب نے کیا کہا؟ کہتے ہیں حق کہا! اور وہی علی اور کبیر ہے۔ اس کا ذکر قرآن حکیم نے اس آیت میں کیا ہے۔

حتّٰی اذا فزع عن قلوبھم — حاملِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر حسبِ علم

قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق
وھو العلی الکبیر ۔
بخاری صفحہ ۷۰۸ ۔ جلد دوم کتاب التفسیر
باب قولہ فزع من قلوبہم الخ

پر جب فیضان علم الٰہی کا فیضان وحی کی صورت
میں ہوتا تھا تو فرط شدت سے چہرہ مبارک سرخ
ہوجاتا اور سانس کی آواز تیز ہو جاتی ۔

(فاذا ھو محمر الوجہ یغط)
(بخاری صفحہ ۷۴۵ ۔ جلد دوم و
صفحہ ۶۲۰ ۔ جلد دوم باب نزول القرآن
من صفوان ابن علی)

اور یہ حالت کچھ دیر بعد تک رہتی تھی۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ :۔

ولقد رایتہ ینزل علیہ الوحی
فی الیوم الشدید البرد فیفصم
عنہ وان جبینہ لیتفصد
عرقا ۔ (صحیح بخاری باب کیف
کان بدء الوحی صفحہ ۲ ۔ جلد اول)

میں نے سخت سردی کے دن آپ پر
وحی کو اترتے ہوئے دیکھا تھا کہ وحی
کا نزول بند ہوا اور (شدت) وحی سے
جبین مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا ۔

اور اوامر الٰہیہ کے علم کی یہی ہیبت تھی جس کی تاب نہ لاکر پہاڑوں، آسمانوں اور زمین نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، کہ اوامر الٰہی کے ظہور و علم کی امانت کا متحمل ہونا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

انا عرضنا الامانۃ علی
السمٰوٰت والارض والجبال
فابین ان یحملنہا واشفقن
منہا وحملہا الانسان

ہم نے یہ امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ
امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور
پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انہوں
نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا

انہٗ کان ظلوماً جھولاً ؕ	اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس
(الاحزاب - ۹)	کو اپنے ذمہ لے لیا . وہ ظالم ہے جاہل

ہے :

علم الٰہی کی یہی عظمت تھی جس کا قرآن کی صورت میں نزول انسان کے بدن کو عاجزی و ہیبت کی وجہ سے

چنانچہ قرآن نے گواہی دی .

اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتٰبا	اللہ تعالیٰ نے اپنا عمدہ کلام نازل
متشابھا مثانی تقشعر منہ	فرمایا ہے جو یہ کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی
جلود الذین یخشون ربھم ثم	ہے بار بار دہرائی گئی ہے جس سے
تلین جلودھم وقلوبھم	ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے
الیٰ ذکر اللّٰہ .	ہیں ، بدن کانپ اٹھتے ہیں . پھر ان کے
(الزمر - ۳)	بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ

کے ذکر (یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے) کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں :

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ و تابعین) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بیہوشی طاری ہوتی تھی . اور نہ کوئی چیختا تھا . صرف رویا کرتے تھے . اور ان کے بدن پر رونگٹا کھڑا ہو جاتا تھا . ان کے پوست اور قلوب نرم ہو کر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے .

(یعنی اکثر حالت ہوتی تھی) — (رواہ رزین تیسیر ص ۸۶ منقول از حقیقت الطریقۃ امام تھانویؒ ص ۲۷)

صحابہؓ کی یہی حالت تھی کہ قرآن کی ہیبت ان پر چھائی رہتی تھی . چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں .

سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

يقرأ في المغرب بالطور فلما بلغ هذه الآية ام خلقوا من غير شيء ام هم الخالقون ام خلقوا السموات والارض بل لا يوقنون ام عندهم خزائن ربك ام هم المصيطرون . كاد قلبي يطير	مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے سنا ، جب آپ اس آیت پر پہنچے ، "کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں ۔ یا خود اپنے خالق ہیں یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ۔ بلکہ یہ لوگ (بوجہ جہل کے توحید کا) یقین نہیں لاتے ۔ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں ۔ یا یہ لوگ (اس محکمۂ نبوت کے) حاکم ہیں ۔ تو میرا دل اڑنے لگا "
بخاری صـ ۷۲۰ ج ۲ کتاب التفسیر)	

گویا حضرت جبیر ابن مطعم رضؓ پر ان آیات کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ ان کا دل خوف کی وجہ سے اڑنے لگا ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن اونٹ پر سوار کسی گلی میں سے گذر رہے تھے کہ کسی گوشے سے اس آیت کے پڑھنے کی آواز آئی ۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۔	بے شک آپ کے رب کا عذاب ہو کر رہے گا ۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا

(سورۂ طور ـــ ۱)

اس آواز کا سننا تھا کہ ہوش اڑ گئے اور بیہوش ہو کر اونٹ سے گر پڑے اور مدت تک گرنے کی تکلیف سے بیمار رہے (مکتوبات امام ربانی سرہندیؒ مکتوب صـ ۳۰ ۲)

عبداللہ ابن شداد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے پیچھے آخری صف میں نماز پڑھ رہا تھا اور اس جگہ حضرت عمرؓ کی شدتِ گریہ کی آواز آرہی تھی ۔ اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے ۔

اوامر الٰہی کی یہی عظمت تھی جس کے ہیبت سے صحابہؓ کے رنگ اڑ جایا کرتے تھے۔ حیدر کرارؓ کا نماز کے وقت چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا جس کا تحمل آسمان اور زمین اور پہاڑ نہ کر سکے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں اس امانت کو اچھی طرح ادا کر سکوں (کہ اوامر الٰہیہ کی امانت میں اہم ترین نماز ہے)۔

(اسوۂ صحابہ ص ۳۸۶ ج ۲۔ بحوالہ کتاب اللمع ص ۱۴۳، نیز
کیمیائے سعادت و احیاء العلوم امام غزالیؒ)

علم الٰہی کا جو گنجینہ صحابہ رضؓ کو اوامر الٰہی کی صورت میں قرآن و حدیث نبوی صؐ نے دیا تھا اس کی یہی عظمت تھی جس نے انہیں سراپا عمل بنا دیا تھا وہ جانتے تھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دنیاوی کامرانی اور اخروی نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ صحبتِ نبویؐ کے اثر سے ان کا علم یقین کی اس منزل تک جا پہنچا تھا کہ غائب ان کے لئے حاضر اور مستقبل حال بن چکا تھا۔ وہاں رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبوی علم سے جن حقائق کی پردہ کشائی فرمائی تھی ان پر ان کا یقین اس قدر تھا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن مالکؓ سے پوچھا کیا حال ہے۔ بولے خدا پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔ بولے دنیا سے میرا دل پھر گیا ہے اس لئے رات کو جاگتا ہوں دن کو بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ گویا خدا کا عرش مجھے علانیہ نظر آتا ہے۔ گویا میں اہل جنت کو باہم ملتے جلتے دیکھ رہا ہوں اور گویا اہل دوزخ مجھے چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے حقیقت کو پا لیا۔ اب اس پر قائم رہو۔

(اسوۂ صحابہؓ ص ۷۴ جلد اول۔ بحوالہ
اسد الغابہ تذکرہ حارث ابن مالک)

شاید علم کی یہی حقیقت تھی جس کے متعلق ابن مسعودؓ کا قول ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللهِ الخ

(بخاری تعلیقاً باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بڑے گریہ زاری کرنے والے شخص تھے خصوصاً جب کہ آپ تلاوت قرآن کرتے تو گریہ ضبط نہ کر سکتے۔

(ازالۃ الخفا بحوالہ بخاری)

علم الٰہی قرآن وحدیث کی یہی عظمت تھی جو قرن اوّل کے ایک ایک فرد پر چھائی ہوئی تھی۔ وہاں رسالت سے حکم الٰہی کا جونہی صدور ہوتا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حکم کو پوری عظمت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اس کے پابند ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب انہیں کسی موثق ذریعہ سے اس چیز کا علم ہو جاتا تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا ہے۔ یا کسی چیز کا امر فرمایا ہے تو بے چون وچرا فوراً اسی پر عامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ تو براء ابن عازبؓ صحابی سے روایت ہے۔ کہ حضورؐ نے پہلی عصر کی نماز خانہ کعبہ کی طرف پڑھی۔ آپؐ کے ساتھ ایک شخص نماز پڑھ کر نکلے اور ان کا گذر ایک دوسری مسجد پر ہوا وہاں نماز ہو رہی تھی۔ انہیں ابھی تحویل قبلہ کا علم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے۔ جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔

اشهد بالله لقد صليت	میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں
مع النبي صلى الله عليه وسلم	کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
قبل مكة	مکہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔

اس مسجد کے نمازیوں کو جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا علم ہوا۔

فداروا كما هم قبل البيت

(صحیح بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۲ ج ۲)

جس حالت میں تھے اسی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

اسی طرح جب حرمت شراب کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ — اے ایمان والو! شراب اور جوا اور
وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْ — چڑھاوے کے بت اور پانسے گندے
لَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ — کام ہیں۔ شیطان کے سوا ان سے
فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ — بچتے رہو، شاید تمہارا بھلا ہو۔

(مائدہ — ۱۲)

تو بعض صحابہؓ نے چلا کر کہا۔ خدایا! ہم باز آگئے۔

(سیرت النبی صفحہ ۶ جلد دوم ششم بحوالہ ابو داؤد کتاب الاشربہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابو عبیدہ ابن الجراحؓ و ابو طلحہؓ اور ابی ابن کعبؓ کو کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ ایک آنے والے نے کہا۔ کہ شراب حرام ہو گئی۔ یہ سن کر ابو طلحہؓ نے کہا۔ انس اٹھو۔ اور شراب کو گرا دو۔ حضرت انس کہتے ہیں۔ پس میں نے شراب بہا دی۔

(صحیح بخاری باب نزول تحریم الخمر)

اندازہ کیجئے۔ کہ صحابہؓ پر اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی کس قدر عظمت چھائی ہوئی تھی۔ کہ شراب کا دور چل رہا ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے کہ ایک آدمی اتنا کہہ دیتا ہے کہ شراب حرام ہو گئی۔ اسی وقت صراحی و جام توڑ دیئے جاتے ہیں۔ بادۂ ناب کے خم زمین پر بہا دیے جاتے ہیں اور اس مدینہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر طرف گلیوں میں شراب کے خم الٹے جا رہے تھے اور شراب پانی کی طرح زمین پر بہہ رہی تھی۔

(سیرت النبی صفحہ ۶ ج ۶ بحوالہ بخاری)

اللہ اللہ! امر الٰہی کی کس قدر عظمت تھی کہ علم کے آتے ہی سراپا عمل تھے۔

الایمان الیقین کلہ ایمان یقین کامل کا نام ہے۔

(صحیح بخاری صہ ۶ ج ۱)

کہ علم جب قلوب میں رسوخ پاتا ہے۔ تو یقین کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ علم و یقین جب قلب و ذہن میں خوب پختہ ہوجاتا ہے تو عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو علم کی غایت قصویٰ ہے۔

یہ یقین ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ دہانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے ہر کلمہ کو صحابہ رضؓ نے ایک ہوئی حقیقت اور اٹل فیصلہ سمجھا۔ اور حضور علیہ السلام کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہی یقین ہے جس سے ایمان کی تمام شاخیں پھوٹتی ہیں اور خوف و رجاء کی جو کیفیتیں صحابہ رضؓ پر طاری ہوتی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن ایک پرندے کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ فرمانے لگے کہ کاش میں بھی تیری طرح پرندہ ہوتا۔ کہ تو جہاں چاہتا ہے اڑتا پھرتا ہے درختوں پر بیٹھتا ہے پھل کھاتا ہے اور تجھ پر کوئی حساب نہیں۔

(ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا (کہ میں حساب قیامت سے بچ جاتا)۔

یقین کی یہی کیفیتیں صحابہ رضؓ کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھیں۔ انہیں یہ یقین کامل تھا کہ جو سزا و جزا کسی عمل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے۔ وہ مل کر رہے گی۔ اس جذبہ و یقین نے انہیں بے قرار کر دیا تھا۔ کہ اوامر پر عمل کریں اور منکرات سے بچیں اور اسی یقین کی وجہ سے ان کے اعمال پر ایمان و احتساب کی روح طاری ہوتی تھی۔ کہ ان اعمال کا رضائے الٰہی کے نتیجے میں جو اجر و ثواب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا ۔ اس حقیقت نے اعمال خیر پر انہیں حریص اور اعمال شر سے مجتنب کر دیا تھا ۔ کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کو اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ ہو تو وہ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں کرے گا جتنا کہ اس کی قدر و قیمت کے معلوم ہونے کے بعد اس کا اس میں انہماک ہوگا ۔

یہی ایمان و احتساب کی حقیقت ہے ۔ جو تمام ترغیب و فضائل اور ترہیب کی احادیث پر چھائی ہوئی ہے ۔ انسان کے اس دنیا میں اس قدر انہماک بڑا سبب بھی یہی ہے ۔ کہ وہ اس ذلیل دنیا کی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے اسے قیمتی سمجھتا ہے ۔ کہ اس بے وقعت عالم کی وقعت جب ظاہری شوکت کی وجہ سے قلوب پر چھاتی ہے ۔ تو یہی دنیا مبلغ علم اور غایتِ رغبت بنجاتی ہے ۔ لیکن جب اس کے مقابلے میں اخروی زندگی کی حقیقی قدر و قیمت والی چیزوں کے قیمت ایمانی روشنی سے دلوں پر منکشف ہوتی ہے ۔ تو یہ دنیا ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اور انسان اپنی پوری قوتوں کو ان رفیع اور قیمتی چیزوں کے حصول کے لئے خرچ کرنے لگتا ہے ۔ جس کا نتیجہ ابدی کامیابی و فلاح ہے ۔

امام بیہقی رحؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ؕ

اللہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتا ہے ۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے ۔

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور (ایمان) جب قلب میں داخل ہوتا ہے ۔ تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کوئی علامت اور نشانی بھی ہے ۔ فرمایا ۔ (ہاں) اس دھوکے کے گھر (دنیا) سے (دل کی) علیحدگی

اور دار الخلود کی طرف توجہ اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔

(مشکوٰۃ شریف)

عقبیٰ کی باقی رہنے والی اور قیمتی چیزوں کی یہی قدر و منزلت اور دنیاوی فانی چیزوں کی بے قدری پیدا کرنا نبوی طریقہ تعلیم کا ہدایت کا ایک اہم حصہ ہے۔ کہ جب یقین کسی چیز کے فائدہ مند ہونے کا وثوق پیدا کر دے تو اس کے حصول کے لئے توجہ و تڑپ یقیناً زیادہ ہوگی۔ اور اس طرح ذہنی اور نفسیاتی طور پر عمل کی راہیں انسان پر آسان ہو جائیں گی کہ علم کا مقصد ہی عمل ہے۔ اور عمل کے بغیر علم ظلمت و جہل ہے۔ جس کی حقیقت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے۔ جس کا فائدہ نہ ہو۔

اعوذ بك من علم لا ینفع

(ابن ماجۃ ص ۲۲)

سعدی بشوئے نقش دوئی راز لوح دل
علمے کہ رہ حق نہ نماید جہالت است

صحابہؓ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم (جو عین علم ہے) کی جب دس آیتیں پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ جب تک کہ اس پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے۔ جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے۔

(رسالہ معارف ص ۵۳ ج ۲ بحوالہ تفسیر قرطبی ص ۳۹ جلد دوم)

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں

سیکھ لیتا تھا تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک کہ ان کے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا تھا۔

(معارف ایضاً بحوالہ تفسیر ابن جریر ص۲۹ جلد ۱)

غرض دین میں مطلوب وہی علم ہے جو ہم پر عمل کی راہیں کشادہ کر سکے کہ کسی چیز کے جاننے کا مطلب صرف جاننا ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بلند مقصد کی جستجو کے لئے کسی چیز کو جانا جاتا ہے۔ اسی طرح علم کی حیثیت ایک نور یا چراغ کی ہے جس سے راستہ کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کہ سیدھا راستہ کونسا ہے اور راہ پر خطر کونسی ہے۔ عاقل وہی ہے جو اس نور کی روشنی میں صراط مستقیم پر چلنا شروع کر دے۔ جو سیدھی منزل مقصود تک پہونچتی ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں جو آسائش و آرام کے راستہ کو چھوڑ کر جاننے کے بعد ایسی راہ ضلالت پر ہولے جس کا انجام قعر ہلاکت ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

جب یہ معلوم ہو چکا کہ علم کا مقصود اصلی عمل ہے۔ اور عمل کے لئے لازم نہیں کہ کتابی تعلیم ہی دی جائے۔ بلکہ اگر زبانی تعلیم ہی عمل صالح کا دروازہ ہم پہ کھول دے تو علم کا مقصد حاصل ہو گیا چنانچہ قرون اولیٰ میں کتابی تعلیم پر اتنا زور نہیں دیا جاتا تھا۔ جتنا علم کی حقیقت اور اس کی تاثیر و نتیجہ خیزی پر دھیان کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارشادات نبوی کا گو اکثر حصہ تحریر میں آچکا تھا۔ تاہم متداول طریقہ زبانی تعلیم و تعلم کا تھا۔ کہ جو باتیں انسان زبانی یاد کرتا ہے۔ وہ حفظ و ممارست سے قلب میں پیوست ہو جاتی ہیں اور عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ جب کہ کتاب پر انسان کا بھروسہ اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور بسا اوقات یہ کتابی نقوش یاس، عملی جمود کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ایسی امت کے لئے جس کے ہر فرد پر علم کا حصول فرض کر دیا گیا ہو۔ نوشت و خواند کی سہولتیں بہم

پہونچانا بھی ایک حد تک مشکل ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں بجائے کوم کتابی بنانے کے زبانی تعلیم و تعلم ہی بہتر ہے۔

اعلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص صفت تعلیم بھی تھی۔ لیکن جیساکہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۔

(الجمعہ ۔ ۱)

وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور ان کو عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتوں) کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا فخر تھا اسی طرح آپ نے عرب کے "امیوں" کو کبھی کتابی نوشت و خواند سے تعلیم نہیں دی۔ بلکہ زبانی تعلیم کا وہ طریقۂ ہدایت رائج فرمایا جس نے تمام عالم کو علم کی روشنی سے منور کر دیا۔ صحابہ رضؓ جو کچھ آپ سے قولاً و عملاً سیکھتے تھے۔ اسے یاد کرتے تھے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال کر دوسروں کو یہ علمی روشنی پہنچاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باہم مذاکرہ و تکرار سے علم بڑھتا تھا۔ عمل پختہ ہوتا تھا۔ اور اس کی نورانیت پھیلتی جاتی تھی۔ اس دور میں کتابی دور کی حیثیت مددگار و معاون کی سی تھی۔ جو علم و عمل کی عملی درسگاہوں میں بوقت ضرورت کام آتا تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ رسالت سے بُعد ہوتا گیا۔ کتابیں بڑھتی گئیں۔ زبانی تعلیم و تعلم، عملی رشد و ہدایت اور تاثیر و تاثر کم ہوتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا وہ فیضان جو بالمشافہ اخذ و طلب سے حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کی وہ پہلی سی افادیت باقی نہ رہی۔

امام اوزاعی کا قول ہے۔

كان هذا العلم شيئاً شريفاً	حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس
اذا كان من افواه الرجال	وقت تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل
يتلاقونه ويتذاكرونه فلما	کیا جاتا تھا۔ لوگ اسے ایک دوسرے سے
صار في الكتب ذهب نوره و	مل کر لیتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے رہتے
صار الى غير اهله	تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں
(تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی	میں درج ہوگئیں اس کا نور اور اس کی
بحوالہ جامع بیان العلم صـ ۹۸ ج۔ ۱)	رونق جاتی رہی۔ اور ایسے لوگوں میں پہنچ
	گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

متقدمین کی علم کے لئے کاوش و جستجو اور ایک ایک حدیث کی تلاش میں صدہا میل کا سفر اس چیز پر دلالت کرتا ہے۔ کہ انہیں علم کے حصول کا کس قدر شوق تھا۔ اور جب ان صعوبتوں کے بعد انہیں علم کا کوئی حصہ ہاتھ آتا تھا۔ تو اس کو حرز جان بناتے تھے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے اور دوسروں تک یہ دولت پہنچاتے تھے۔ لیکن جوں جوں کتابی علم عام ہوتا گیا۔ کرمک کتابی تو بڑھتے گئے۔ لیکن جوہر علم کے متلاشی کم ہوتے گئے۔ کم طلب اور کم کوش نا اہلوں تک علم کتابی جا پہونچا۔ تو مغز و پوست پر ہی قناعت کر بیٹھے۔ رفتہ رفتہ کتابیں پڑھ لینا ہی علم ٹھہرا۔ علم کی روح رخصت ہوگئی علم کا مقصد بھلا دیا گیا۔ علم کا مغز الفاظ کی وسعتوں میں پنہاں ہوگیا۔ اور اس کے نتائج مفقود ہوگئے۔ ابتدا میں علم جن معنوں کا جامع تھا۔ ان کی حقیقت کتابوں کے صفحوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ علم جو جتنا بڑھتا تھا خشیت بڑھتی تھی (جیسا کہ حدیث میں ہے انا اعلمکم باللہ واخشاکم اللہ) اب اندرونی کیفیتوں کے فقدان کی وجہ سے حجاب بن کر رہ گیا۔ یہاں تک کہ صوفیا کو کہنا پڑا۔

العلم حجاب اکبر

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

وہی علم جس کا ایک ذرہ قلب انسانی کو پھونک دیا کرتا تھا۔ مدارس و مجالس کی گرم گفتاری کا ذریعہ بنکر رہ گیا۔

عشق کی تیغ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

آج ان تمام تلخ حقیقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں مسلمانوں میں علم کا انہی کیفیتوں اور معانی کے ساتھ احیا کرنا ہے۔ جو قرن اول میں عمل کا ذریعہ بنی تھیں۔ کہ علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ بلکہ لفظ علم کی اسلامی حقیقت اپنے اندر علم و عمل دونوں کو سمائے ہوئے ہے اور دورِ اوّل میں عملی کیفیات اور کارگردگیوں پر بھی لفظِ علم کا اطلاق کیا جاتا تھا۔

چنانچہ امام ترمذی رح نے حضرت عبادہ ابن حارث رض کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے مشہور تابعی حضرت جبیر رض کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ:-

ان شئت لاحدثنك باول	اگر تم چاہوں تو میں بیان کروں کہ پہلا علم جو
علم یرفع من الناس الخشوع	لوگوں سے اٹھالیا جائے گا خشوع ہوگا
یوشك ان تدخل مسجد الجامع	اور قریب ہے کہ تم مسجد جامع میں داخل
فلا تری فیه رجلاً خاشعاً	ہو اور وہاں ایک خاشع شخص بھی نہ
(جامع ترمذی جلد دوم باب ما جاء فی ذهاب العلم)	پاؤ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ "خشوع" پر علم کا اطلاق کرتے تھے حالانکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق خشوع علم یعنی جاننا نہیں ہے۔ بلکہ ایک عملی کیفیت ہے جس کا مطلب بدن جھکانا۔ آواز پست ہونا۔ اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا ہے۔ (لسان العرب) اور سب جانتے ہیں کہ یہ عملی کیفیتیں ہیں

آج مسلمانوں کے دینی احیاء کے لئے اسی علم کی ضرورت ہے۔ جو ہم میں علم و عمل کی دوگونہ قوتوں کو زندہ کر دے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری درس گاہیں نہ صرف پڑھنے پڑھانے کا فریضہ ادا کریں، بلکہ ہمارے علمی حلقے اس عملی سوز و گداز کا منبع ہوں۔ جو ہمارے قلوب پر الہٰی عظمت پیدا کر کے خشیت و محبت الہٰی کے دوگونہ جذبات پیدا کرے۔ کہ عمل کا دروازہ اسی وقت کھلتا ہے۔ جب علم کی عظمت دلوں پر منکشف ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دور اول میں علم کی یہی عظمت تھی۔ جو دلوں کو عشق الہٰی ان پر مرتسم کر دیتی تھی۔ اور وہ عمل پر مجبور ہو جاتے تھے۔ ترمذی نے حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:-

> (عرباض ابن ساریہؓ) کہتے ہیں کہ ایک دن
> صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
> وسلم نے ایک بلیغ نصیحت کی جس کی وجہ سے
> (لوگوں کی) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے
> اور قلوب لرز گئے۔ ایک آدمی نے کہا یا
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت وداع
> کرنے والے کی سی دردانگیز ہے۔ آپ ہم سے
> کیا عہد لینا چاہتے ہیں (تاکہ ہم اس پر عمل
> پیرا ہو جائیں) آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اللہ
> سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور امیر
> کی تابعداری کی اگرچہ وہ ایک حبشی غلام
> کیوں نہ ہو۔ تم میں سے (میرے بعد)
> جو زندہ رہا تو وہ بہت اختلافات دیکھے

گا۔ پس (نفس) دین میں نئی باتوں سے
بچنا کہ یہ گمراہی ہے۔ پس جس نے تم میں
سے اختلافات کا زمانہ پایا اُسے لازم ہے
کہ میرے طریقہ پر قائم رہے۔ اور خلفائے
راشدین مہدیین کے طریقے کی پابندی
کرے اور مضبوطی سے اس طریقۂ ہدایت
کو تھامے رکھے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہے کہ صحابہ پر اللہ اور اس کے ارشادات کا اس قدر اثر ہوتا تھا۔ کہ وہ رو پڑتے تھے۔ اور ان کے دل لرز جاتے تھے۔ اور وہ پکار اٹھتے تھے۔ کہ ہمیں راہ ہدایت بتائیے کہ ہم اس پر گامزن ہو جائیں۔ اگر آج علم کی وہی عظمت عود کر آئے تو آج پھر عمل کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ علم کی عظمت اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر کو اپنے قلوب میں بٹھائیں۔ کہ الٰہی علم کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ ہی سے عالم کی شادابی کا سبب بنا ہے۔ اور جب تک علم کے بھیجنے والے اور پہنچانے والے کی عظمت ہمارے قلوب میں نہیں ہوگی۔ ان کے دیے ہوئے علم کی قدر بھی ہم نہیں کریں گے۔ کہ دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ جس ہستی کو ہم جلیل القدر سمجھتے ہیں۔ اس کی بات کو بھی ہم اتنا ہی قابلِ توجہ اور قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔ بڑے آدمیوں کے اقوال کی قدر ہمارے دلوں میں اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کی ہستیاں اپنی عظمت کے ساتھ ہمارے دلوں پر مستولی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اگر ایک دیہی گنوار اور ایک یگانۂ روزگار عالم کی زبان سے ہم ایک ہی بات سنیں تو عالم کی علمی شخصیت کی وجہ سے (جس کی عظمت ہمارے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے) ہم اسی بات کو (جو دیہی گنوار کی زبان سے بھی سُنی گئی ہے) زیادہ قابلِ وقعت اور قابلِ اعتنا سمجھیں گے۔ کہ

ہماری فطرت شخصیتوں کے اثر لینے کی وجہ سے ان کے اقوال کی قدر کی کمی بیشی پر مجبور ہے۔ جو ہستی ہمارے ذہن میں زیادہ وقیع ہو گئی۔ اس کی بات بھی اتنی ہی زیادہ وقیع ہو گئی۔ اشخاص کی یہی عظمت وہیبت ہوتی ہے۔ جو ان کے اقوال میں جان ڈال کر دنیا کے بڑے بڑے انقلابوں کا باعث بنی ہے۔ یہ سکندر، نپولین، تیمور، ہٹلر کی ذاتی عظمت ہی کا اثر ان کے پیروکاروں پر تھا۔ کہ ان کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔ اور یہ اثر ونفوذ صرف جہان بانوں اور کشور کشاؤں کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی شخصیتیں بھی جن کے اقوال اپنے اپنے علم وفن میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی عظمت کی حامل ہوتی ہیں اور جب کسی قول کو ان کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ تو سامعین کے قلوب میں اس قول کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ غرض کسی قول وامر کی قدر پیدا کرنے کے لئے اور اس پر عمل پیرا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اس قول کے کہنے والے اور امر کرنے والے کی عظمت قلوب میں بٹھائی جائے۔ کہ جب آمر کی عظمت وہیبت قلوب پر چھا جائے گی۔ تو اس کے امر پر فطرتاً عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ جیسے ایک پرہیبت شیر کو آتے دیکھ کر اپنی حفاظت کے لئے فوراً کوشش کرنا ایک فطرتی خاصہ ہے۔ اسی طرح ایک حاکم وآمر جس کی ہیبت وعظمت رگ رگ میں چھا چکی ہو، کے امر کی فوری تعمیل بھی انسانی فطرت ہے۔ امرِ الٰہی اور ارشاداتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عظمت قرنِ اول کے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھی۔ جو انہیں اللہ کے ایک ایک امر پر جانیں قربان کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

آج علم اور مقصدِ علم (یعنی عمل) کے پیدا کرنے کے لئے از بس ضروری ہے کہ ہم اللہ کی عظمت و ہیبت وجلال، اس کی ہمہ گیری وہمہ دانی۔ معیت وعلم اور اس کے سمیع وبصیر ہونے کا دھیان اس کی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بٹھائیں اس کے دئیے ہوئے احکام پر موعود وعیدوں کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے

رکھیں اور اس کی نافرمانی کے انجام بد کا تصور ہر وقت ہم پر چھایا رہے اور اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ذکر الٰہی اور مراقبۂ آخرت بکثرت کریں کہ اس کے ذکر کی کثرت سے اس کی ذات وصفات کا اثر ہمارے قلوب میں اس کی محبت و خشیت پیدا کرے گا اور اس کی معیت کے مقام بلند سے سرفراز کر کے ہمیں اس کے اوامر پر چلا دے گا۔ اور اس کے رنگ میں رنگ دے گا۔ کہ جمال ہمنشین کا اثر یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ذکر الٰہی کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت آئی ہے۔

چنانچہ مشہور حدیث قدسی ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله تعالى انا عند ظن عبدى بى وانا معه اذا ذكرنى فان ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى وان ذكرنى فى ملاء ذكرته فى ملاء خير منهم وان تقرب تقربت اليه ذراعاً وان تقرب الى ذراعاً تقربت اليه باعاً وان اتانى يمشى هرولة

رواه احمد وبخاری ومسلم والترمذی النسائی وابن ماجة والبیهقی۔ وصحیح مسلم جلد دوم باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ ص۳۴۱ جلد ۲۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا

ہے۔ تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں

بخاری باب قول وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ — اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں

صـ۱۱۰۱ ج دوم — اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الا انبئکم بخیر اعمالکم و ارضاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من اعطاء الذھب والورق ومن ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا وما ذاک یا رسول اللہ قال ذکر اللہ۔

(ابن ماجہ باب فضل الذکر) ورواہ الترمذی باختلاف یسیر۔ صـ۱۱۷۱

کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں۔ اس سے بھی بڑھی ہوئی۔ صحابہ رض نے عرض کیا ضرور بتائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کا ذکر ہے۔

جلد دوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا:۔

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ

کوئی قوم اللہ کے ذکر کرنے کے لئے نہیں بیٹھتی مگر فرشتے اس کو ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے۔ اور اللہ اپنے پاس

فی من عندہ ، والوں یعنی فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر
(صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن (فخریہ کرتا ہے)
وعلی الذکر)

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت ۔
(مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل)

جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ اور جو نہیں کرتا ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے ۔
(کہ ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ)

امام ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ۔ کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قعد مقعداً لم یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ و من اضطجع مضجعاً لا یذکر اللہ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ
(مشکوٰۃ ۔ ص ۱۹۸)

جو شخص بیٹھا اور پوری نشست میں ایک دفعہ بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حسرت ڈالی جاتی ہے ۔ اور جو شخص لیٹا اور پورے وقت میں ایک بار بھی اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے حرمان و حسرت ہے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

کوئی جماعت ایسی مجلس سے نہیں اٹھتی جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا گیا ہو ۔ مگر اس کی مثال ایسی ہوتی ہے ۔ کہ گویا وہ گدھے کی مردار لاش سے اٹھی ہے اور ان کیلئے حرمان و حسرت کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۸)

کہ وہ مجلس جو ذکرِ حبیب سے خالی ہے حسرت و یاس کے سوا اس میں کیا رکھا ہے۔ یقیناً خالق کی یاد سے غافل مجلس ناپاکی اور گندگی ہی کا ٹھکانہ ہے۔ دنیا سے یادِ الٰہی اور اس کے یاد کرنے والوں کو علیحدہ کر لیا جائے تو مردار دنیا کے سوا رہ ہی کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ کیا جائے۔ شاید اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللہ قسوۃ للقلب وان ابعد الناس من اللہ القلب القاسی

اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو کہ ذکر کے بغیر زیادہ باتیں قلب کی قسوت (سختی) کا سبب ہیں۔ اور اللہ سے سب سے زیادہ دور "قلب قاسی" ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۹۸ بحوالہ ترمذی روایت ابن عمرؓ)

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ابن آدم کے تمام کلام (باتیں) سوا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ذکر الٰہی کے بے فائدہ ہیں:۔

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای العباد افضل درجۃ عند اللہ یوم القیٰمۃ قال الذاکرین اللہ کثیراً قال قلت یا رسول اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ قال لو ضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتیٰ ینکسر و یختضب دماً لکان الذاکرین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک کن لوگوں کا درجہ سب سے افضل ہوگا۔ آپ نے فرمایا اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والوں کا۔ ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی سے بھی بڑھ کر اس کا درجہ ہوگا۔ آپ نے (جواباً) فرمایا۔ ہاں

اللہ کثیراً افضل منہ درجۃ	اگر کفار و مشرکین کے ساتھ تلوار سے
(ترمذی باب ماجاء فی فضل الذکر مشکوٰۃ	اتنا لڑے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون میں
بحوالہ احمد و ترمذی وقال الترمذی ہذا	رنگ جائے۔ تب بھی اللہ کا بکثرت ذکر
حدیث غریب)	کرنے والوں کے درجے اس سے
	افضل ہوں گے۔

کہ جب جہاد و قتال کا مقصد بھی اعلاء کلمۃ الحق اور ذکر الٰہی ہے تو مقصد بہر صورت ذریعہ و سبب سے مافوق ہے۔ ذکر الٰہی دلوں کو کھولتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا سے معلوم ہوتا ہے۔

اللّٰھم افتح اقفال قلوبنا	یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے
بذکرک۔	اپنے ذکر سے

ذکر سے قلوب کا زنگ اتر جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں اور دل انوار الٰہی کے قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

امام بیہقی دعوات کبیر میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔
انہ کان یقول لکل شیٍٔ صقالۃ	کہ آپ فرماتے تھے۔ ہر چیز کو صیقل کرنے
وصقالۃ القلوب ذکر اللہ وما من	اور چمکانے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کو
انجیٰ من عذاب اللہ من ذکر اللہ	صیقل کرنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ اور عذاب
قالوا ولا الجھاد فی سبیل اللہ	الٰہی سے کوئی چیز ذکر الٰہی سے زیادہ نجات دینے
قال ولا ان یضرب بسیفہ	والی نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا جہاد فی سبیل
حتیٰ ینقطع۔	اللہ بھی اس سے زیادہ نہیں؟ آپ نے
(مشکوٰۃ۔ ص۱۹۹)	فرمایا اگرچہ اپنی تلوار سے اتنا مارے کہ تلوار

ٹوٹ جائے تاہم ذکرالٰہی زیادہ نجات دینے

والا ہے۔

ذکر ماسوا کے تعلقات قطع کر کے خالق سے بندے کا رشتہ جوڑ دیتا ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل۔۱)

اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو۔

ذکرالٰہی دلوں کا چین، قلوب کی راحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے:۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔ (الرعد۔ ۴)

جو شخص ان (اللہ) کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھو لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

ذکر کی یہی گوناگوں صفات اور کیمیائی اثرات تھے جس نے صحابہؓ کی زندگی کو سراپا ذکر بنا دیا تھا۔ وہ چلتے پھرتے، بیٹھے اور لیٹے خیالِ محبوب میں مست اور اس کی یاد میں رطب اللسان تھے انکی رزم و بزم کی محفلیں نامِ حق سے گونج رہی تھیں۔ ان کے کاشانے۔ آرام گاہیں، مکان و دکانیں بازار و تفریح گاہیں یادِ حبیب سے عطر بیز تھیں، ان کی خلوتیں اسی کے دھیان سے معمور اور ان کی جلوتیں اسی کے تذکروں سے آباد تھیں۔ ان کی راتیں جمالِ دوست سے روشن اور ان کے دن اسی کی تجلیوں سے منور تھے۔ ان کے قلوب جلوۂ الٰہی سے معمور اور ان کی نگاہیں کیفِ عشق سے مخمور تھیں۔ زبانیں تسبیح کناں۔ اعضا و جوارح عظمتِ الٰہی سے پرخشوع اور روحیں انوارِ الٰہی سے مستور تھیں۔ ان کی تجارتیں انہیں ذکرِ حق سے غافل نہیں کرتی تھیں اور ان کے کاروبار

ان کی قلبی خلوتوں میں بار نہیں پاتے تھے:۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ ط — ایسے لوگ جن کو کاروبار اور خرید وفروخت کا شغل یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتا

(نور - ۵)

ذکرِ دوام سے ان کے دل زندہ تھے۔ ان کی رفتار و حرکت اور ان کا آرام و سکون الٰہی نغموں سے پرشور تھا۔

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ط — جو خدا کو اٹھتے۔ بیٹھتے اور لیٹتے یاد کرتے ہیں۔

(آل عمران - ۲۰)

آرام گاہوں کو چھوڑ کر جمالِ یار کی کیف انگیز خلوتوں کے طالب اپنی راتوں کو اسی کے جلوے سے آباد کیا کرتے تھے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔ — جن کے پہلو (رات کو) خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ خوف وامید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

(السجدہ - ۲۰)

اللہ کے ذکر میں یہی کیفیت ہے۔ جو اللہ کے ماننے والوں کو ہر وقت اسی کے دھیان میں مگن رکھتی ہے۔ اور ذکر کی حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ اللہ کا خیال بندہ پر اس طرح طاری رہے کہ ہر وقت الٰہی معیت و حضور کا یقین اور اللہ عزوجل کے حاضر و ناظر ہونے کا ایمان اسے تمام معاصی سے مجتنب رکھ کر تمام اوامر الٰہیہ پر چلا کر رضائے مولا سے ہمکنار کرا دے کہ اللہ کا چاہنے والا اپنے محبوب کو سامنے دیکھتے ہوئے اس کے کہنے کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اور اس کے حکم سے انحراف اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس کی نگاہیں

تماشائے جمال سے ہر وقت روشن ہوں۔ وہ خلوت وجلوت میں معاصی کی ظلمت سے دور ہی رہے گا اور رضائے حبیب کی طلب میں اس کی زندگی سراپا مدعائے دوست بن جائے گی۔ اور اس کی ہر حرکت اسی سے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے۔

وما تقرب الی عبدی لبشیٍٔ	میرا بندہ جو چیزیں مجھے پسند ہیں ان میں
احبّ الیّ ممّا افترضت علیہ	فرضوں سے زیادہ کسی چیز کے ذریعہ میرا
وما یزال عبدی یتقرّب الیّ	قرب حاصل نہیں کرتا اور میرا بندہ نوافل
بالنوافل حتیٰ احبتہ فکنت	کے ذریعہ قرب کے لگاتار مراتب طے کرتا
سمعہ الذی یسمع بہ و	رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت
بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ	کرنے لگتا ہوں پس میں اس کے کان
التی یبطش بھا ورجلہ التی	بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اسکی
یمشی بھا۔	آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔
(صحیح بخاری باب التواضع ص ۹۶۳ ج ۲	اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا
مشکوٰۃ ص ۱۹۷ بحوالہ بخاری عن	ہے۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں
ابو ہریرہ)	جن سے وہ چلتا ہے۔

اس کی تمام زندگی الٰہی رنگ میں نکھر کر سیرت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع ہو جاتی ہے کہ سیرت طیبہ ہی رضائے الٰہی کا انتہائی عملی نمونہ ہے اور ذات پاک ہی کائنات میں اللہ بنایا ہوا اسوۂ کامل ہے۔

دین او آئین او تفسیر کل
در جبین او خط تقدیر کل

عقل را او صاحب اسرار کرد
عشق را او تیغ جوہر دار کرد

کاروان شوق را او منزل است
ما ہمہ یک مشت خاکیم او دل است

ذکر الٰہی اپنی ان حقیقتوں اور کیفیتوں کو لئے ہوئے جب علم الٰہی کی روشنی میں قلب مومن پر اثر ڈالتا ہے۔ تو قلب کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہ منقاد و متاثر ہو کر طاعت الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی تبدیلی انسان پر عمل کا دروازہ کھول دیتی ہے کہ یہ "دل" ہی ہے۔ جس کی کائنات بدلنے سے انسان کی پر کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور اعضاء و جوارح دل کی پیروی میں احکام الٰہی پر گامزن ہو جاتے ہیں اس طرح علم و ذکر کے اس امتزاج سے اس زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ جو الٰہی رحمتوں نبوی برکات اور انسانیت کے اوج کمال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ قدر رسالت کے بُعد کی وجہ سے اسلامی زندگی ٹوٹ چکی ہے۔ علم و ذکر کا حقیقی حصول ہی اس زندگی کو عالم میں دوبارہ قائم کر سکتا ہے اس کے ضروری ہے۔ کہ ہمارے علمی حلقوں پر ذکر کی کیفیت طاری ہو۔ دور رسالت میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر ہی علم کی عظمت پیدا کرنے کے لئے کافی تھا آج اس کا بدل اللہ کی عظمت انوار اعلم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و محبت کا دھیان ہے کہ جب ہم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و قدر اور محبت و الفت پیدا ہو گی۔ تو ان کی بتائی ہوئی باتوں اور اوامر کی قدر و محبت بھی ہمارے قلوب میں جاگزیں ہو گی۔ کہ کسی قول کا وقیع ہونا صاحب قول کی وقعت پر ایک حد تک مبنی ہے اور جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و امر کی قدر و محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے گی۔ تو فطرتاً ہم ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ کہ محبوب و وقیع چیز کے حصول کی جستجو و طلب فطرت انسانی ہے۔ اس طرح سے اس پاک و مطہر زندگی کا عملی دروازہ ہم پر کھل جائے گا۔ جو کائنات کے لئے سایۂ رحمت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقعت و عظمت کو دل میں بٹھانے

ہوئے ہمیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم و تعلم درس و تدریس کے لئے اپنے کچھ اوقات کو فارغ کرنا چاہیئے۔ اس تحصیل علم کے لئے عملی نمونہ جس قدر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر عمل کی راہیں زیادہ کھلیں گی۔ کہ بعض عرفا کا قول ہے۔

"قول سے قول پیدا ہوتا ہے اور عمل سے عمل پیدا ہوتا ہے"

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دور صحابہ رض میں صحابہ رض اکثر مسائل کا جواب عمل سے دیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے متعلق سوال کیا گیا تو بجائے زبانی بتاتے کے عملاً اس طرح تعلیم دی کہ :-

فدعا بتور من ماء فتوضأ لهم الخ پانی کا برتن منگوایا اور پھر ان کے بتانے کیلئے وضو کیا۔

روایت میں ان الفاظ کے بعد آپ کے بتائے ہوئے وضو کی تفصیل ہے۔

(صحیح بخاری ص ۳۲ ج ۱ باب مسح الراس مرۃ)

اسی طرح حضرت مالک ابن حویرث رض نے ایک دفعہ اپنے ملنے والوں سے کہا۔

انبئکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وذاک فی غیر حین صلوٰۃ فقام ثم رکع الخ

کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ نہ بتلاؤں۔ راوی کہتا ہے اس وقت نماز (فرض) کا وقت بھی نہیں تھا۔ پھر عملاً تعلیم دینے کے لئے نماز شروع کی اور قیام کیا پھر رکوع کیا الخ

اسی طرح پوری نماز پڑھ کر عملاً نماز کی تعلیم دی (زبانی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا)

(بخاری ص ۱۱۳ ج ۱۔ باب المکث بین السجدتین)

دوسری روایت میں حضرت مالک ابن حویرث رض نے صاف تصریح کر دی۔ کہ ان کا مقصد

نماز کے پڑھنے سے عملاً تعلیم دینا تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ ورنہ زبانی بھی وہ نماز کا نقشہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابی قلابة قال جاءنا مالک بن الحویرث فصلی بنانی مسجد فاهذا فقال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوٰة لکن ارید ان اریکم کیف رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی (بخاری باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة)

ابی قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک ابن حویرث ہمارے پاس آئے۔ اور ہمیں اس مسجد میں نماز پڑھائی اور پھر کہا۔ میں نے جو تمہیں نماز پڑھائی اس سے میرا ارادہ اس کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا کہ تمہیں یہ دکھادوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے:۔

میرا مطلب ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ہمارے مکاتب و مدارس میں عملی تعلیم کا جو طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ دوبارہ زندہ ہو جائے۔ کہ آنکھوں دیکھی چیز سنی ہوئی سے زیادہ موثر ہوتی ہے اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔

تعلیم کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کو اعمال کی جزا اور فائدوں سے آگاہ کیا جائے کہ جس قدر اعمال صالحہ کے اخروی اور ان کے ضمن میں دنیوی فائدے اس پر منکشف ہوں گے۔ فطرتاً عمل پر پڑنے کے لئے اس کا ذوق و شوق بڑھے گا۔ کہ انسان خیر کا حریص ہوتا ہے۔ جس قدر اعمال کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ ان کے حصول کی کوشش اسی قدر بڑھے گی۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ فضائل و ترغیب کی احادیث کا بکثرت مذاکرہ کیا جائے۔ کہ نفس ان اعمال کی لذت محسوس کرنے لگے۔ اور قلب میں ان کی محبت رچ جائے اور جب انسانی

قلب و نفس کسی چیز کو چاہنے اور پسند کرنے لگتا ہے تو انسان اس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔
اسی طرح منکرات پر جو جو سزائیں اور وعیدیں آئی ہیں ان کی تنبیہ و تذکیر بھی برائیوں سے
روکنے کا ایک بڑا سبب بنے گی۔ اور تبشیر و تنذیر کے اس نبوی طریقہ تعلیم سے متعلم برائیوں
سے مجتنب ہو کر نیکیوں پر عمل پیرا ہو جائے گا۔

ہمیں اس چیز کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ عمومی تعلیم دین کے لئے یہ بھی ضروری
ہے کہ متنازعہ فیہ مسائل میں عوام کو نہ الجھایا جائے۔ کہ اس طرح ان کی طبیعت عمل کی
راہ سے ہٹ کر قیل و قال اور جدل و مناظرہ میں پھنس کر رہ جائے گی۔ جس کا ان
کے کوئی دینی فائدہ نہیں۔ مزید برآں متفق علیہ اتنے مسائل ہیں اور بے قیل
و قال عمل کے لئے اتنا میدان وسیع ہے۔ کہ ایک سلیم الطبع انسان اس پر گامزن
ہو کر بآسانی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

عمومی تعلیم دین کے لئے ہمیں پھر سے مساجد میں قرنِ اول کی طرح علم و
ذکر کے حلقے قائم کرنے ہیں۔ کہ مدارس و خانقاہیں، عامۃ المسلمین کی دینی تعلیم و تربیت کی
کفیل نہیں ہو سکتیں کہ اس مشغول زمانہ میں ہر کہ ومہ کے لئے مدارس و خانقاہوں کے لئے
فراغت مشکل ہے اور نہ ہی اتنی کثیر آبادی کے لئے مدارس و خانقاہیں مہیا کی جا سکتی ہیں۔
دین کے ان طلبگاروں کیلئے جن کی ہمتیں اللہ نے بلند کر دی ہیں۔ مدارس اور خانقاہیں
ضروری ہیں کہ علم و تزکیہ کے امام و عارف دین سے بن کر نکلتے ہیں۔ ان اللہ والوں
کی مثال اصحاب صفہ جیسی ہے۔ جن کی پوری زندگیاں علم و ذکر کے لئے وقف ہو
چکی تھیں۔ لیکن عام مسلمانوں پوری زندگیاں اس پاکیزہ کام کے لئے عملاً وقف نہیں
کر سکتے۔ ان کے لئے لازم ہے کہ دورِ اول کی طرح مساجد میں تعلیم و تعلم اور ذکر و ہدایت
کے حلقے قائم کریں۔ ہمیشہ تحصیل علم و عمل کا اہتمام کریں۔ دین کی بنیادی باتیں سیکھیں
اور سکھائیں۔ ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔ فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہوں۔ اور

سنن ومستحبات پر چلنے کی کوشش کریں تاکہ دینی زندگی جوکہ صدیوں کے جمود کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے ۔ دوبارہ عالم کو اپنی روشنی سے منور کرے ہماری مساجد پھر سے علم وذکر کے نور سے منور اور تزکیہ وہدایت کی روشنی سے چمک اٹھیں ۔ جس طرح مسجد نبوی کے طالب علم عالم کے امام بنے تھے ۔ اگر آج انہیں بنیادوں پر ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھے اس پر خود عمل پیرا ہوا اور دوسروں کو اس کی دعوت دے تو سارا عالم پھر سے ایمانی کرنوں سے جگمگا سکتا ہے ۔ صحابہؓ کے زمانہ میں ہر چھوٹا بڑا ، امیر و غریب ، تاجر و کاشتکار ، ملازم و بیوپاری ہر شخص دین کا ضروری علم رکھتا تھا کہ جب تک علم نہ ہو عمل ناممکن ہے ۔ اور جب تک ہم رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی زندگی کی واقفیت وعلم نہیں رکھیں گے ۔ ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال نہیں سکتے ۔ اسی لئے کتاب وسنت میں علم کی اس قدر فضیلت آئی ہے ۔ استقصار مقصود نہیں ۔ تاہم تبرکاً ایک دو آیتیں اور چند حدیثیں علم اور طلب علم کی فضیلت میں نقل کرتا ہوں ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

(۱) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجے تم میں سے ان لوگوں کے جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ علم والے ہیں ۔

(۲) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ

آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے (علم رکھنے والے) اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں ؟ (مراد یہ ہے کہ ہرگز برابر برابر نہیں ہو سکتے)

(۳) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

تحقیق اللہ تعالیٰ سے اس کے علم رکھنے والے بندے ہی ڈرتے ہیں ۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدّین
(مشکوٰۃ کتاب العلم صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ ابن ماجہ ص ۲۰ جامع ترمذی ص ۸۹ جلد دوم ومسلم وغیرہ)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

کہ دین کی سمجھ اور علم کے بغیر عمل ناممکن ہے۔ اس لئے دین جو کہ سراسر خیر ہے اس کے حصول کے لئے اول علم کی تحصیل ضروری ہے۔ کہ علم کی روشنی کے بغیر راہ ہدایت کی تلاش اور اس پر گامزن ہونا سراسر بے وقوفی اور جہالت ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

طلب العلم فریضۃ علیٰ کلِّ مسلم
(ابن ماجۃ باب فضل العلماء)

علم (دین) کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

علم کو حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(احیاء العلوم)

دین کی تمام تر سبزی و شادابی دین کے علم پر موقوف ہے۔ جب تک ہم نہ جانیں گے کہ دین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوتے ہیں؟ صراط مستقیم کیا ہے؟ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ اسلام کا مدعا کیا ہے؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کس طرح گذاری ہے۔ اور ہمارے لئے کیا نمونہ چھوڑا ہے؟ ہم دین کی راہ پر چل نہیں سکتے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

علم اور طالب العلم کے فضائل بکثرت بیان فرمائے ہیں۔

امام احمدؒ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

عن كثير بن قيس قال كنت جالساً
مع ابي الدرداء في مسجد دمشق
فجاءه رجل فقال يا ابا الدرداء
اني جئتك من مدينة الرسول
صلى الله عليه وسلم لحديث
بلغني انك تحدثه عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم ما
جئت لحاجة قال فاني سمعت
رسول الله صلى الله عليه و
سلم يقول من سلك طريقاً
يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً
من طرق الجنة وان الملائكة
لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم
وان العالم ليستغفر له من في السموت
ومن في الارض والحيتان في
جوف الماء وان فضل العالم
على العابد كفضل القمر ليلة البدر
على سائر الكواكب وان العلماء
ورثة الانبياء وان الانبياء

کثیر ابن قیس سے روایت ہے کہ میں
حضرت ابی الدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی
مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس
آیا اور کہنے لگا۔ اے ابو درداء میں
مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں
میرے آنے کا مقصد سوا اس کے اور
کچھ بھی نہیں کہ میں نے سنا ہے۔ آپ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک
حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو
درداء نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے طلب
علم کے لئے کسی راستہ پر چلنا شروع کیا
اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے اسے
جنت کے راستوں پر چلائے گا۔ اور
ملائکہ طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنی
خوشنودی کے اظہار کے لئے پر بچھاتے ہیں
عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام
مخلوقات اور سمندر کی مچھلیاں مغفرت

لم یورثوا دینارا ولا درهماً
وانما ورثوا العلم فمن
اخذہ اخذ بحظ وافر
(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی، ابن
ماجہ باب فضل العلماء، ترمذی باب
ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ
ص۹۳ جلد دوم عن قیس ابن کثیر (
ابو داؤد جلد دوم کتاب العلم)

چاہتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر
ایسی ہے جیسی بدر کامل کی دوسرے
ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث
ہیں کہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں
چھوڑتے۔ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔
پس جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا
حصہ نعمت کا پایا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان
من الف عابد ۔
(مشکوٰۃ ص۳۴ ۔ جلد دوم و
ابن ماجہ ص۲۰

دین کی سمجھ رکھنے والا ایک (عالم)
شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے
زیادہ بھاری ہے۔

ترمذی نے ابوامام اوراما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا جن میں ایک عالم اور دوسرا عابد تھا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا

فضل العالم علی العابد کفضل
علی ادناکم ثم قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ
وملائکتہ واھل السمٰوٰت

عالم کی فضیلت عابد (بے علم) پر ایسی
ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ
ترین شخص پر۔ پھر آپ نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ اس کے ملائکہ اور آسمانوں

والارضين حتّى النملة في جحرها وحتّى الحوت يصلون على معلم النّاس الخير۔
(ترمذی باب ما جاء فی فضل الفقه على العبادة)

اور زمینوں کے بسنے والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلیاں تک لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله به طريقاً الى الجنة وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله في من عنده ومن بطاء به عمله لم يسرع به نسبه
مشکوٰۃ ص۳۲ بحوالہ مسلم ابن ماجہ

جو شخص طلب علم کے لئے کسی رستہ پر چلا۔ اللہ تعالیٰ اس راستہ کے بدلے میں جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دے گا۔ اور نہیں جمع ہوتی کوئی قوم (لوگ) اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہوں۔ اور باہم اس کا مذاکرہ کرتے ہوں۔ مگر نازل ہوتی ہے ان پر سکینہ (طمانیت) اور ڈھانپ لیتی ہے انہیں رحمت اور گھیر لیتے ہیں انہیں فرشتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں کے سامنے ان کا ذکر کرتا ہے اور جسے اس کا عمل (تقرب الٰہی اور نجات) سے (بوجہ عملی یا علم پر عمل نہ کرنے کے) پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

کہ آپ نے فرمایا:۔

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا اجرا سے ملتا رہتا ہے (اگر اس نے حیات میں کئے ہوں) صدقہ جاریہ، دوم ایسا عمل جس سے اس نے نفع اٹھایا ہو (یعنی کسی کو علم کی باتیں بتائی ہوں) یا خود اس پر عمل کیا ہو۔ سوم ولدِ صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔

(مشکوٰۃ شریف ص۳۲ بحوالہ مسلم)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

ان یشبع المومن من خیر یسمعہ حتیٰ یکون منتہاہ الجنۃ۔	مومن کو خیر کی بات سننے (یعنی طلب علم) سے سیری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب ص۹۳ ج۲)

ترمذی اور دارمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتیٰ یرجع	جو شخص علم کے لئے (اپنی جگہ سے) نکلا۔ وہ اللہ کی راہ میں (مجاہد کی طرح) ہے یہاں تک کہ واپس لوٹ آئے (یعنی اسے مجاہد کا ثواب ملتا رہے گا۔
(مشکوٰۃ کتاب العلم)	

حضرت سنجرۃ الازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :۔

من طلب العلم كان كفارة لما مضى[1]
جس نے علم حاصل کیا۔ وہ اس کے ماسبق گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص۳۴

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

حسد الا فی اثنین رجل اتاه الله مالا على هلكته فی الحق ورجل اتاه الله الحكمة فهو يقضی بها ويعلمها۔

صرف دو آدمیوں پر ہی رشک ہو سکتا ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا علم دیا ہو۔ اور وہ اس سے فیصلہ کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم، بخاری باب الاغتباط والعلم)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :۔

جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ اس کی مثال بھرپور بارش کی ہے۔ جو زمین پر ہوتی ہے۔ اور زمین کے مختلف طبقے ہوتے ہیں۔ بعض حصہ عمدہ ہوتا ہے۔ اور (جلد) پانی کو جذب کر لیتا ہے۔ اور گھاس اور ہریالی کثیر مقدار میں اس پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین کا بعض حصہ پانی کو اپنے اندر ٹھہرا لیتا ہے اس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ اس سے پانی پیتے اور پلاتے ہیں۔ اور کھیتیاں پانی دیکر اگاتے ہیں اور زمین کا

بعض ٹکڑا بنجر چٹان ہوتا ہے نہ پانی کو ٹھہراتا ہے۔ اور نہ اس پر کچھ گھاس اگتی ہے۔ یہ پہلی مثال اس کی ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرتا ہے۔ اور جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے خود علم حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ اور (آخری) مثال اس شخص کی ہے جو اس ہدایت کی طرف سر بھی اونچا نہیں کرتا۔ (یعنی التفات نہیں کرتا) اور جو ہدایت میں دے کر بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کرتا۔

(صحیح بخاری باب فضل من علم وعلّمہ)

قرآن وحدیث کے ان جواہر ریزوں سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علم ہی اسلامی زندگی کے حقائق کو ہم پر آشکار کرکے ہمیں راہ ہدایت پر گامزن کرتا ہے۔ اور ہم میں ایمان وایقان کے جذبات پیدا کرکے ہمیں سراپا مسلم اور دین ہدیٰ پر عامل بنا دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کبرسنی میں بھی تحصیل علم کے فریضے سے غافل نہیں ہوتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے تصریح کی ہے۔

(بخاری صہ ۱/۱۶)

اور ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کا سفر برداشت کرتے تھے۔ مثلاً حضرت جابر ابن عبداللہؓ نے مدینہ سے شام کا سفر صرف ایک حدیث کے علم کے لئے اختیار کیا

(بخاری تعلیقاً باب الخروج فی طلب العلم)

آج اگر ہمارا یہ جذبہ سرد ہو چکا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں محلّوں اور گاؤں کی مساجد میں اپنی دنیاوی مشغولیتوں سے کچھ وقت نکالتے ہوئے دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کریں۔ اس کے لئے اپنے علماء کے مشورے سے ہم کتابوں کا مختصر سا نصاب بنا سکتے ہیں۔ جو نبوی طریقہ تعلیم وہدایت کے مطابق ہو۔ تنذیر وتبشیر

ترغیب وفضائل، ترہیب ووعید کا جامع، الٰہی خوف وخشیت اور محبت والفت پیدا کرنے والا اور عمل پر ڈالنے والا ہو۔ تعلیم کا طریقہ الٰہی عظمت ومحبت اور ذکر کی کیفیت کو لئے ہوئے ہو۔ علم کی بجائے عملی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے اور قول سے زیادہ عمل پر زور دیا جائے۔ جو اشخاص ناخواندہ ہوں۔ اور پڑھنے کی ہمت نہ پاتے ہوں۔ ان کے لئے صدق نیت سے دوسروں سے سن کر ان پر عمل پیرا ہونا اور دوسروں کو اس کی ثواب کی نیت سے دعوت دینا ہی کافی ہے۔ جو جو ان ہمت لوگ علم کا معتدبہ حصہ حاصل کرنا اور عالم بننا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے تو درسگاہوں ہی میں باقاعدہ تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں۔ لیکن عامۃ الناس کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بھی کافی ہوگا۔ کہ اللہ کی عظمت وکبریائی اور اوامر الٰہیہ کی قدر وقیمت کا دھیان کرتے ہوئے۔ دین کا ضروری علم عمل کی نیت سے حاصل کیا جائے کہ علم میں اخلاص وتعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ کہ علم میں اخلاص وتعلق مع اللہ سے نورانیت آتی ہے۔ عمل اس علم کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حکیمانہ ومخلصانہ دعوت علم میں رسوخ، پختگی اور عمق پیدا کرتی اور عمل کی محرک بنتی ہے۔

الٰہی علم ویقین، پیہم عمل، دائمی دعوت کے نور ہی سے کاشانۂ اسلام کی روشنی ہے۔ اخلاص وعظمت الٰہی کے استحضار کے ساتھ جس قدر امت ان اعمال میں مشغول رہے گی۔ رضائے الٰہی اور دائمی فوز وکامرانی سے ہم کنار رہے گی اور جس قدر ایمان ویقین، علم وعمل، عمومی دعوت اور باہمی تذکیر وتواصی سے کنارہ کرتی جائے گی۔ نقصان وخسارہ میں مبتلا ہو جائے گی۔ سورہ "العصر" اسی حقیقت کی قرآنی شہادت اور اقوام وملل کی الٰہی سرنوشت ہے۔ جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ وشاہد ہے۔

امت محمدیہ مرحومہ کے مختلف طبقات و گروہ جسد ملت کے اعضاء و جوارح کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی زندگی اوامر الٰہیہ کے علم و عمل پر موقوف ہے۔ ملت کی شریانوں میں جب تک تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صالح خون دوڑتا رہے گا۔ اس کے اعضاء و جوارح اسلام کے حیات آفریں پیام سے زندگی اور توانائی پاتے رہیں گے۔ اور جس قدر حیات و قوت کے ان الٰہی سرچشموں سے مختلف طبقات کا تعلق کم ہوتا جائے گا۔ ملت پر اضمحلال چھاتا جائے گا۔ ملت جملہ طبقات و افراد سے عبارت ہے۔ جن میں سے کسی طبقے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے جملہ طبقات امت کو نبوی تعلیمات سے آشنا کرنا ہے۔ عملی زندگی کی راہیں کشادہ اور قرآن و سنت کی سلسبیل و کوثر سے ہر کہ و مہ کو حسب استعداد سیراب کرنا ہے۔ ایمان و یقین علم و عمل، ذکر و خشیت، احسان و اخلاص، اخلاق و خوبیٔ معاملات اور حسن معاشرہ کی عام فضائیں قائم کرتی ہیں۔ اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ الٰہی اعتماد و توکل، ہمت و عزیمت سے کام لیتے ہوئے ملت اسلامیہ کے جملہ طبقات کو علم و عمل، ذکر و دعوت کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ جس سے پہلے بھی امت پر بہار آئی تھی۔ اور ختم نبوت کی برکت سے آج بھی آسکتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی تعلیمات ہر زمان و مکان، ملت و قوم کیلئے نجات و کامرانی، فوز و فلاح کا آخری الٰہی نوشتہ

ہے۔ جس سے امتِ محمدیہؐ کی زندگی قائم اور اس کا فروغ وابستہ ہے۔ امت آج ان قدسی سوتوں سے سیراب ہوکر الٰہی زندگی سے سرشار ہو سکتی ہے۔ اور ہلاکت سے ہمکنار سسکتی انسانیت کو دائمی چین، امن وسکون، اور نبوی پاک ومطہر زندگی کا پیام دے کر عالم کی نجات دہندہ بن سکتی ہے۔

بیا تا گل برافشانیم مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم وطرح نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد
من وساقی بہم سازیم وبنیادش براندازیم

اکرامِ مسلم

اسلام ایک ابرِ رحمت تھا جو وادیٔ بطحا سے اٹھا اور جس جگہ برسا اپنی فیض گستریوں سے اسے جنّت کا نمونہ بنا گیا۔ اس نے عالم کو ایک عالمگیر اخوت و برادری کا درس دیا...........

انسانی عدل، باہمی غمگساری اور حسن سلوک کا سبق پڑھایا۔ اس نے زیر دستوں کی دستگیری کی۔ بے کسوں اور بے چاروں کی چارہ گری کی۔ کمزوروں کو توانائی اور غلاموں کو آزادی بخشی اور دنیا کو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی دعوت دی۔ جہاں رنگ و نسل، مرزبوم اور قوم وطن کی خود ساختہ انسانی پابندیاں ٹوٹ کر رہ جائیں۔ جہاں دولت و ثروت طاقت و جاہ کی باہمی رقابت و منافقت اور طبقاتی عناد و کشمکش کا وجود نہ ہو اور تمام اولادِ آدم ایک الٰہی رشتہ میں منسلک ہو کر باہم بھائی بھائی بن جائے۔ اور جہاں عزت و فضیلت کا مدار نسل و وطن اور دولت و ثروت کے بجائے نیکی اور پرہیزگاری ہو جائے اسلام کے اس حیات بخش پیغام اور انقلاب

آفرین دعوت کو صحیفہ اسلام نے ان جامع الفاظ میں پیش فرمایا ہے

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات - ۲)	اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ بہت جاننے والا اور باخبر ہے۔

قرآن نے یہ اعلان کر کے کہ نسلی و خاندانی تقسیم صرف تعارف کے لئے ہے، عزت و ذلت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عزت و ذلت کے جاہلی پیمانہ کو توڑ دیا اس کے برعکس ایمان اور عمل صالح کو عزت و ذلت کا مدار قرار دیا کہ اگر مومن و متقی ہے۔ تو خواہ کسی خاندان اور کسی قوم سے ہو وہ قابل اکرام اور واجب الاحترام ہے، اور اگر ایمان و تقویٰ سے خالی ہے تو خواہ کوئی بھی ہو اللہ کی نظر میں ذلیل و حقیر ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکور کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ :-

ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما مومن تقی او فاجر شقی الناس کلھم من آدم وآدم من تراب (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۸ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)	اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر فخر کرنے (کی جاہلی رسم) دور کر دی ہے اب (آدمیوں کی اصلی تقسیم صرف یہ ہے کہ) یا مومن نیکوکار یا فاجر بدکردار (نسل و نسب پر غرور کا کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ) تمام لوگ آدم کی اولاد میں اور آدم کی اصل مٹی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل روایت جو اس موقع پر بعض مفسرینؒ نے نقل کی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں :۔

قال الحمد لله الذی اذھب عنکم عبیة الجاھلیه وتکبرھا یاایھا الناس ان الناس رجلان برّ تقی کریم علی الله وفاجر شقی ھیّن علی الله ثم تلی یاایھا النّاس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۱) (وخازن زیر آیت مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر دور کر دیا۔ اے لوگو! اب لوگ دو قسم کے ہوں گے یا نیک متقی جو اللہ کے نزدیک معزز ہوگا۔ یا بدکار شقی جو اللہ کے نزدیک رذیل ہوگا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ الخ

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفوق، قومی تفاخر اور عصبی غرور کے تار و پود کو اس بلیغ انداز سے بکھیر کر رکھ دیا ہے :۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علیٰ اسود کلکم ابناء آدم وآدم من تراب

نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ گورے کو کالے پر۔ سب آدم کے بیٹے ہیں۔ اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

غرض اسلام نے اس طرح اونچ نیچ اور شرافت و رذالت کے سارے خود ساختہ پیمانے توڑ کر اپنے ماننے والوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر انہیں ایمان کی بنیاد پر ایک عالمگیر بھائی چارہ قائم کرنے کا درس دیا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۱۰) مسلمان تو سب آپس میں بھائی ہیں۔

یہ بھائی چارہ نسبی بھائی چارہ سے بڑھ کر ہے. کہ کافر و مسلم سگے بھائی ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے بلکہ ایک مسلمان جس کا نسبی بھائی کافر ہو اگر مر جائے تو اس کے وارث مسلمان ہوں گے. نسبی تعلق ایک مادی رشتہ ہے جو فانی ہے لیکن اسلام کا روحانی تعلق ایک لازوال حقیقت ہے.
اسی لئے اسلامی اخوت کے ایک متوالے نے کہا ہے. ؎

ابی الاسلام لا اب لی سواہ　　　　اذا افتخروا بقیس او تمیم

ترجمہ ! میرا باپ اسلام ہے. اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں. جب کہ لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں میں سے ہونے پر فخر کریں (یعنی میرے لیے کسی قبیلے سے ہونا فخر نہیں بلکہ مسلمان ہونا فخر ہے)

پس جو شخص بھی اس رشتہ میں منسلک ہو گیا وہ پوری ملتِ اسلامیہ کا بھائی بن گیا۔ اور وہ سارے حقوق اسے حاصل ہو گیے جو ایک بھائی کے دوسرے بھائیوں پر ہوتے ہیں؛.

ارشاد ہوا ہے: ـــ

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کریں،
وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ	نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے
فِی الدِّیْنِ ط	لگیں. تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں.

(التوبہ ـــ ۲)

اسلامی اخوت کے اس شجرہ طیبہ کی حفاظت اور نشو نما کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہم اور پیہم ہدایتیں دی ہیں
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
سلم قال ایاکم والظن فانّ	بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے
الظّن اکذب الحدیث ولا	بڑا جھوٹ ہے ایک دوسرے کے

تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد الله اخواناً

(صحیح بخاری باب قوله یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن الآیة صفحہ ۸۹۶ جلد دوم)

عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کے عیبوں میں بحث نہ کرو، ایک دوسرے کی خرید کی چیز کی قیمت (خواہ مخواہ قیمت بڑھوانے کے لیے) نہ بڑھاؤ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو۔ اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو۔ اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ!

ایک دوسری روایت میں امام مسلمؒ نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله ولا یحقره التقوىٰ ههنا ویشیر الى صدره ثلاث مرات بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاه المسلم کل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه

(صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم صفحہ ۳۱۷ جلد دوم)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے مدد چھوڑے نہ اس کی تحقیر کرے (پھر) سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے تین مرتبہ فرمایا۔ تقویٰ کا تعلق اس جگہ سے ہے۔ انسان کے لئے یہ برائی کافی ہے کہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون اس کا مال اور اس کی آبرو۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

" مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تو وہ نہ اس پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالے کرے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، خدا

اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی مسلمان کی تنگی دور کرے، خدا اس کے بدلے میں اس کی تنگی دور فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

قال من رد عن عرض اخیه رد الله عن وجهه النار یوم القیامة

(ترمذی باب ماجاء فی الذب عن المسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچائی اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے بچائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده۔

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے ضرر سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان ص۶ جلد اول)

مسلمانوں کی عزت وعظمت اور ان کے جان ومال کی ایک دوسرے پر حرمت آخری نبوت کے دربار عام (حجۃ الوداع) میں نہایت ہی بلیغ اور موثر انداز میں ذہن نشین کرائی گئی چنانچہ منیٰ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد ہوا:۔

اتدرون ای یوم هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال فان هذا یوم حرام قال اتدرون ای بلد هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال بلد حرام قال

جانتے ہو یہ کون سا دن ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ حرمت والا دن ہے (پھر) فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے

اتدرون ای شهر هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال شهر حرام قال فان الله حرم علیکم دماءکم واموالکم واعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا .

(صحیح بخاری ص ۸۹۲ جلد دوم)

والے ہیں فرمایا یہ حرمت والا شہر (بلد حرام) ہے، پھر پوچھا جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں ۔ فرمایا یہ حرمت والا مہینہ (ماہ حرام) ہے پھر جب دن، مقام اور مہینہ کی عظمت و حرمت لوگوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ۔ تو فرمایا اللہ نے تم پر تمہارے خون، مال اور آبروئیں اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں اس حرمت والے دن کی طرح حرام کر دی ہیں ۔

مسلمان کی قدر و منزلت اور اللہ کی نظر میں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت ظاہر فرمانے کے لئے آپ نے ایک دن یہ پُر اثر انداز اختیار فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں :۔

رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یطوف بالکعبة ویقول ما اطیبك واطیب ریحك و اعظم حرمتك والذی نفس محمد بیده لحرمة المومن اعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه وان نظن به الا خیرا .

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کعبہ کا طواف فرماتے ہوئے فرما رہے ہیں ۔ تو کتنا پاک ہے اور تیری ہوا کتنی پاک ہے اور کتنی عالی تیری عزت ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مومن اور اس کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

(ابن ماجہ باب حرمۃ دم المؤمنین ومالہ صفحہ ۲۹) اور اس کے متعلق نیک گمان ہی کیا جا سکتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

المومن اکرم علی اللہ عزوجل من الملائکۃ — مومن اللہ کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ شرف والا ہے۔

(ابن ماجہ باب المسلمون فی ذمۃ اللہ عزوجل)

مسلمان کا یہی شرف اور اس کی یہی فضیلت تھی۔ جس کے متعلق قرآن کریم نے گواہی دی۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ — اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے۔

(منافقون — ۱)

پس جب اللہ تبارک وتعالٰی کی نظر میں مومن کی اتنی قدر و منزلت ہے تو اہل ایمان پر بھی لازم ہے کہ آپس میں حسب مرتبہ عزت و توقیر اور شفقت و محبت کا معاملہ کریں۔ یہ اہل ایمان کا ایک دوسرے پر بنیادی حق ہے۔ اور جو شخص ایمانی برادری کے اس حق کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ فی الحقیقت اس قابل نہیں ہے کہ اس برادری کا رکن رہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ۔ — جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(ترمذی باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان صفحہ ۱۴/۲۲)

اور اسی بنا پر مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس کا قتل کفر کے مترادف قرار دیا گیا۔ صحاح کی مشہور روایت ہے

سباب المومن فسوق وقتالہ کفر — مسلمان کو گالی دینا خدا کی نافرمانی اور

(بخاری باب ما ینہیٰ عن السباب واللعن و ابن ماجہ صـــــ۲۹۱) اس سے لڑنا (مقاتلہ) کفر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں مومن پر لعنت بھیجنا اس کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت ہے :۔

ومن لعن مومناً فهو كقتله و من قذف مومناً بكفرٍ فهو كقتله — مومن پر لعنت بھیجنا گویا اس کا قتل کرنا ہے۔ اور مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بھی (گویا) اس کا قتل کرنا ہے

(بخاری صـــــ۸۹۳ جزو دوم)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا :۔

لا ترجعوا بعدی كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض — دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

(بخاری باب الانصات للعلماء)

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔

من حمل علينا السلاح فليس منا - (مسلم صـــــ ج۱ ۶۹) — جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(بخاری صـــــ۱۰۴۹ جلد دوم)

اس بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اگر عین میدانِ جنگ میں کوئی کافر صرف کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا حرام ہے چنانچہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھینہ کے حرقہ نامی قبیلہ کی طرف (جہاد کے لئے) بھیجا۔ ہم نے ان پر چھاپا مارا اور انہیں شکست دی (اسامہؓ کہتے ہیں کہ) اس دوران میں، میں اور میرے ایک انصاری ساتھی اسی قبیلہ کے ایک شخص کے قریب پہنچے۔ اور جب ہم نے اسے

(قتل کرنے کے لیے گھیر لیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا اس پر میرے انصاری ساتھی نے تو اسے چھوڑ دیا اور میں نے اسے اپنے نیزے سے وار کر کے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے اور اس قصہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے اسامہؓ تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ...... اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے پھر فرمایا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا، اور اس جملہ کو افسوس اور رنج سے اتنی بار دہرایا کہ (اسامہؓ کہتے ہیں) میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس دن سے پہلے میں ایمان نہ لایا ہوتا (یعنی یہ گناہ مجھ سے اسلام لانے سے قبل صادر ہوتا تاکہ اسلام لانے سے یہ دھل جاتا)

(بخاری کتاب الدیات جلد دوم ص ۱۰۱۸)

اس قصہ کے ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپؐ نے (نہایت بلیغ انداز میں) فرمایا:-

افلا شققت عن قلبہ	تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا
صحیح مسلم ص ۶۸ ج ۱	کہ وہ حقیقت میں ایمان لا کر کلمہ پڑھ رہا تھا

یا جان بچانے کے لیے پڑھ رہا تھا۔ مراد یہ تھی کہ دل کا حال اللہ کو معلوم ہے تمہیں چاہیئے تھا کہ زبانی اقرار پر اکتفا کرتے)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گیے ہیں (کہ آپؐ نے فرمایا)

فکیف تصنع بلا الہ الا اللہ اذا	قیامت کے دن جب تمہارے سامنے
جاءت یوم القیامۃ۔	اس کا "لا الہ الا اللہ" آئے گا تب تم کیا
(صحیح مسلم ص ۶۸ ج ۱)	کرو گے؟ (یعنی اس وقت تمہارے پاس کیا جواب ہوگا)

ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک "لا الٰہ الا اللہ" پڑھ لینے کا کتنا وزن ہے (جو کہ اسلامی برادری میں شرکت کا ابتدائی نشان ہے) کہ اگر کوئی غیر مسلم حالت جنگ میں بھی (جب کہ اس کی صداقت مشکوک ہوتی ہے) اس نشان کو ظاہر کر دے تو اس کی جان و مال و عزت و آبرو محترم ہو جاتی ہے۔ پس جب ایسے شخص کے معاملہ میں بھی یہ حکم ہے تو جن لوگوں کے متعلق کوئی شک بھی نہ ہو اور ان میں ایمان کی دوسری علامتیں بھی موجود ہوں ان کی حرمت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی۔ اور ان کے حقوق ایک مسلمان پر وہ کیونکر نہ ہوں گے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی اخوت کے ان حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے:۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ ان عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب کہ وہ ان (ہنسنے والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو کہ ایمان لانے کے بعد

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۔

(الحجرات ۱۲)

گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آویں تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو گمانوں سے عموماً بچا کرو۔ کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ مت لگایا کرو۔ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے پس تم کو اس سے گھن آئے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اخوت و محبت کی یہی تعلیم تھی۔ جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بدوؤں کو باہم بغلگیر کر دیا۔ جاہلی عصبیت کے بت کو توڑ کر قرشی النسل فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے حبشی النسل سابق غلام بلال رضی اللہ عنہ کو "آقا" کہلوایا (مناقب بلال رضؓ
بخاری ص ۵۳۱ ج ۱)

مرز و بوم، نسل و وطن، قوم و تمدن کی انسانی حد بندیوں کو مسمار کر کے صہیب رومیؓ سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور ابو سفیان قرشیؓ کو لا الہ الا اللہ کی اسلامی برادری کی ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ اور پھر اس صف میں رخنہ ڈال سکنے والی ہر چیز کا راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا گیا کہ:۔

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک جو

(بخاری باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ) (خیر) اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

ایک طرف کمال ایمان حاصل کرنے کا وہ شوق تھا جو اللہ و رسول کے پیہم ارشادات سے ابھر رہا تھا۔ اور دوسری طرف اخوت کے اس انتہائی تقاضہ کی تکمیل کو کمال ایمان کیلئے موقوف علیہ قرار دیدیا گیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق جسد واحد کے مختلف اعضاء کے باہمی تعلق کی طرح ہو گیا کہ ایک کی خوشی سب کی خوشی اور ایک کا غم سب کا غم۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

تری المومنین فی تراحمہم وتوادہم وتعاطفہم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعیٰ لہ سائر جسدہ بالسہر والحمیٰ

مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم کرنے آپس میں محبت کرنے اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح پاؤ گے۔ کہ ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بےخوابی و حرارت میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

(بخاری باب رحمۃ الناس والبہائم صـ ۸۸۹ ج ۲)

ایک دوسری روایت میں ہے:۔

المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ

سارے مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم اس درد سے بیقرار ہو جاتا ہے۔

(صحیح مسلم باب تراحم المومنین وتعاطفہم وتعاضدہم صـ ۳۲۱ ج ۲)

مسلمانی غم دل در خور یدن چوں سیماب از تپ یاراں تپیدن

حضورِ ملت از خود در گذشتن دگر بانگ انا الملت کشیدن

اقبالؒ

قصرِ ملت کی تمام تر مضبوطی، جسدِ اسلامی کی تمام قوت، اور امت کے قالب کی طاقت اسی اخوت و محبت اور الفت و تراحم کی وجہ سے ہے جس کا مرکز و منبع للّٰہی تعلق اور اسلام پر تصلب ہے جو تمام ملتِ اسلامیہ کو ایک لڑی میں پروتا اور امتِ مرحومہ کے مختلف افراد کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:-

یٰایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ	اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ اس سے
حق تقٰتہ ولا تموتن الاّ	ڈرنے کا حق ہے اور نہ تم مرو لیکن مسلمان
وانتم مسلمون ہ واعتصموا	اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے
بحبل اللّٰہ جمیعاً وّ لا تفرقوا	رہو۔ اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ اور یاد
واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم	کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو کہ تم باہم
اذ کنتم اعداءً فالّف بین	دشمن تھے۔ مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ	جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی ہو
اخوانا۔	گئے۔

(آل عمران — ۱۱)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے مختلف افراد اور مختلف طبقات میں اخوت و محبت اور الفت و تراحم کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر کسی قیمت پر نہ یہ رشتہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے قرآن نے کہا:-

وَلو انفقت ما فی الارض	اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سب
جمیعاً ما الفت بین قلوبهم	بھی خرچ کر دیتا تب بھی ان کے دلوں
ولکن اللّٰہ الف بینهم انّہ	کو ملا نہ سکتا۔ لیکن خدا نے ملا دیا۔ بے

عزیز حکیم — بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(انفال — ۸)

چنانچہ جب سے مسلمانوں نے دین کی رسّی کو ڈھیلا چھوڑا ہے۔ ان کا اجتماعی شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ وہ امت جس کے افراد باہمی الفت و محبت کے ایک تار میں منسلک تھے۔ واحسرتا! کہ آج اس کے افراد اور مختلف گروہ "قلوبھم شتّٰی" کا سماں پیش کر رہے ہیں۔ اپنے کو اچھا اور دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا عام رواج بن کر امت کے اتحاد و اتفاق کو پراگندہ کر چکا ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خود پسندی و خود بینی اور اپنے بھائی کی عیب چینی روا نہیں کہ معیار بلندی و بزرگی تقویٰ ہے۔ اور کسے معلوم کہ ذات الٰہی کے نزدیک کون زیادہ متقی ہو ارشاد ربانی ہے :-

فلا تزکّوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقٰی ۔ — سو (بہت) اپنی پارسائی نہ جتایا کرو وہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

(النجم — ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

بحسب امرئٍ من الشر ان یحقر اخاہ المسلم — انسان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔

صحیح مسلم ص ۳۱۷ ج ۲

اور اس میں ہر مسلمان (خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو) شامل ہے، کہ لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کے بعد وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا۔ اور نہ معلوم اس کلمہ کی کون سی نورانیت اس کے قلب میں موجود ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہو۔ کہ پروردگار عالم کی نگاہیں قلوب کو دیکھتی ہیں۔ اور ہم کسی کا پہلو چیر کر اس کی قلبی حالت کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

اس لئے ہمیں چاہئیے کہ صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونے کی بنا پر ہر مسلمان بھائی کی

عزت کریں۔ اور اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس برائی اور گناہ کو برا جانیں۔ لیکن گنہگار کی ذات سے نفرت نہ کریں۔ کہ ہمیں بیماری سے نفرت کرنی چاہیئے، لیکن بیمار کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ہمارے جو بھائی گناہوں کی بیماریوں میں پھنس گیے ہیں محبت و الفت اور رأفت و رحمت کے جذبے سے حکیمانہ اور مشفقانہ انداز میں ان کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

ان احدکم مرآۃ اخیہ	بے شک تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی
فان رأی بہ اذیٰ فلیمطہ	کا آئینہ ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے
عنہ	تو دور کر دے کہ جس طرح آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے
(ترمذی باب ما جاء فی شفقۃ المسلم	پر اگر کوئی چیز بری لگی ہوئی معلوم ہو تو ہم اسے
علی المسلم)	دور کرتے ہیں اسی طرح اپنے بھائی مسلم

کا عیب بھی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ عالمگیر اسلامی اخوت کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا جا سکتا ہے اور انتشار و پراگندگی کی موجودہ کیفیت کو دور کیا جا سکتا۔ ورنہ باہمی بدظنی و عیب جوئی اور تذلیل و تحقیر کا موجودہ سلسلہ قائم رکھ کر اخوت و یکجہتی کا پھل حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری کی وہ روایت جس میں فرمایا گیا ہے۔

وہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو نہ باہم بغض رکھو۔ بلکہ اے اللہ کے بندوں! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(بخاری باب ما نہی عن التحاسد والتدابر ص ۸۹۶ ج ۲)

اس کی شرح میں ابن حجر رح لکھتے ہیں:۔

کانہ قال اذا ترکتم ھذہ	گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المنہيات كنتم اخوانا ومفهومه اذا لم تتركوها تصيروا اعداء ومعنى كونوا اخوانا اكتسبوا ما تصيرون به اخوانا مما سبق ذكره وغير ذالك من الامور المقتضية لذالك نفياً واثباتاً ـ

کہ جب تم ان منہیات کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ان کو نہ چھوڑو گے تو دشمن ہو جاؤ گے۔ اور بھائی بھائی بننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اخلاقی خوبیاں حاصل کرو جن کی وجہ سے بھائی بھائی بن جاؤ! اور یہ اخلاقی خوبیاں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔ جو اخوت کو نفیاً یا اثباتاً پیدا کرتے ہیں :-

اخلاصِ نیت

اسلام جس پاکیزہ زندگی کی راہیں انسانیت پر کھولنے کیلئے آیا ہے.
اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے اعمال و افعال گفتار و کردار، قلب و نظر اور
روح و جسد کی جملہ حرکات و سکنات، خود غرضی و خود نمائی، عجب و ریا، اور کبر و ناز کی
کثافتوں سے پاک ہوں اور ہماری ہر ہر حرکت کا کعبہ مقصود وہ ذاتِ جمیل بن جائے
جس کی رضا کونین کا حاصل اور جس کی محبت حضرت انسان کیلئے سرمایۂ افتخار ہے.
جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم مخلوقات کی حقیقت گم، ذی ارادوں کے ارادے ختم اور صاحبِ
نطق گنگ ہیں، اسی حی قیوم کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم، اسی کے ہنگامے آباد
اور اسی کی مجلسیں پر رونق ہیں کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگرداں ہے کہ اس
جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں، اور انسان کا منتہائے کمال بھی یہی ہے کہ سب سے
کٹ کر اسی کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں محو ہو کر رہ جائے، نہ نگاہوں میں
اس کے سوا کوئی سمائے اور نہ قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور بار پائے۔ وہ محیط بے کراں
اس کے روح و جسم پر اس طرح چھا چکا ہو کہ اس کی ہر ادا اس فاعل حقیقی کے اشاروں کا
عکس اور اس کا ہر عمل اسی کا پرتو ہے. کہ اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے. کہ اپنے کو قلباً

جیداً تشریعاً و تکویناً اسی ایک کے سپرد کر دیا جائے۔

عاشقی چیست! بگو بندۂ جاناں بودن

دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن!

اور شاید اسی رمز کی طرف حضرت خلیل علیہ السلام کے بھی یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ابراہیم علیہ السلام نے کہا) میں فرمانبردار ہوا

(البقرہ پ ۱-۶) عالموں کے پروردگار کا۔

کیونکہ اسلام تفویض و تسلیم کا مترادف ہے کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے تکویناً اس کی رضا پر راضی اور تشریعاً اس کے اوامر و احکام کی پابندی اختیار کی جائے اور تمام عمر انقیاد و تسلیم کی مخلصانہ جدّوجہد کے وظیفے میں گذر جائے کہ زندگی و جان خلق و امر دونوں لحاظ سے اس جان بخشنے والے خالق و آمر کی ملک ہے اور بندہ کا انتہائے کمال یہ ہے کہ دینے والے آقا کیلئے خود کو مٹا دے کہ اس مٹنے کا نتیجہ ابھرنا ہے اور اس فنا کا حاصل بقا ہے۔

آں کے را کہ چنیں شاہ ے کشد سوئے تخت و بہتریں جائے کشد

اسی لئے سرور عالم، خیر الانبیاء سید ولد آدم علیہ السلام کی رہنمائی اس مقام محمود کی طرف ان الفاظ میں کرائی گئی

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو پالنے والا ہے۔ سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں (ترجمہ شیخ الہند رحمہ) (الانعام ۲۰)

توحید و تفویض کا یہ مقام بلند ہمارے آقا فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ اوّل سے اسی لئے مرحمت فرما دیا گیا تھا۔ کہ یہ حاصلِ کونین زندگی اپنی نہ رہی تھی بلکہ اپنے کو ربّ العزت کے کلیتاً سپرد کر کے صفات الٰہی کے کامل ترین رنگ (جو عالم امکان میں ممکن ہو سکتا تھا) میں نکھر چکی تھی۔ اور آپ کی مناجاتیں اسی چیز کی گواہی دے رہی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی وَاِلَیْکَ مَاٰبِی وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِی

یا اللہ تیرے لئے ہی ہے میری نماز۔ اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اور تیری ہی طرف ہے میرا رجوع اور تیرا ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں گا۔

(دعائے ماثورہ از قربات عند اللہ وصلوات الرسول امام تھانوی ؒ
ص ۲۴

وہ پاک ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) الحاح و تضرع کے ساتھ اپنے آقا سے یہ دعائیں مانگتی تھی۔ کہ مجھے میرے نفس کے لمحہ کیلئے بھی حوالے نہ کیا جائے۔ کہ یہ مقام تفویض و فنا کے منافی ہے۔

چنانچہ نسائی و حاکم اور بزار حضرت انس رضؓ سے آپ کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِی شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ۔

اے زندہ! اے تھامنے والے۔ تیری رحمت کے واسطے سے تیری طرف فریاد لاتا ہوں۔ اے اللہ میرے تمام احوال کو درست کر دے اور مجھے میرے نفس کی طرف ایک لمحہ کیلئے بھی نہ چھوڑ!

تفویض و سپردگی کے اس منظر کا اندازہ مقربین بارگاہِ قدوسیت کے امام

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ، کی اس دعا سے کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے جو ہر رات استراحت کے وقت زبانِ وحی والہام سے ادا ہوتی تھی ۔ امام بخاری و مسلم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت استراحت کیلئے اپنے فرشِ خواب پر تشریف لاتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے ۔

اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ اَمِنْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَرَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ (مشکوٰۃ ۹ ، ۲ باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام)

اے اللہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنا چہرہ (ذات و قلب) کو تیری ہی طرف متوجہ کرتا ہوں اور اپنا معاملہ (تمام امور خارجی و باطنی او کما قال الطیبیؒ) تیرے سپرد کرتا ہوں ۔ اپنا پشت پناہ تجھے ہی بناتا ہوں ۔ امید بھی تجھی سے ہے اور خوف بھی صرف تیرے سے ہے ۔ کہ میرا امن کا ٹھکانہ اور تجھ سے میری جائے پناہ سوا تیری ذات کے کہیں بھی نہیں میں ایمان لایا تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ۔

زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ایک لفظ بندے کی عاجزی اور درماندگی اور رب العزت کی طرف اپنی سپردگی اور تفویض کا مظہر ہے ۔ اسلام کی جو حقیقت سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مبارک سے ظاہر ہوئی یہی تھی کہ اپنی جانوں کو بالکل رب العزت کے حوالے کر دیا جائے ۔ اپنے ظاہری اور باطنی امور کو اسی قاضی الامور کو سونپ دیا جائے مخلوقات سے قطعاً بے نیاز ہو کر اسی غنی مطلق کا نیاز مند اور سارے سہاروں کو چھوڑ کر اسی کا سہارا قبول کیا جائے کہ ذات عزیز ہی وہ " رکن شدید[1] " ہے ۔

---

[1] اشارہ ہے آیت قرآنی " او اٰوی الیٰ رکنٍ شدید " کی طرف ۔ الفرقان)

جس کی پناہ کے بعد خوف نہیں اور جس کی مدد کے بعد ناکامی نہیں ہمارے تمام امور اسی سے طے پا رہے ہیں، ہمارے تمام کاموں میں اسی سے جان اور ہمارے تمام اسباب میں اسی سے تاثیر آرہی ہے۔ ہمارے اعمال و افعال کی ہر حرکت اسی سے ہے اور ہمارے ارادوں کی رنگ آمیزیاں اور تنوع اسی کے دم سے ہیں۔ وہی ذاتِ اقدس کونین کے ہر ہنگامہ اور ہماری ہر جنبش کا باعث و سبب ہے۔

یا خفی الذات محسوس العطا أنت کالما و نحن کالرحا
انت کالریح و نحن کالغبار یختفی الریح و نبراه جهار

تو بہاری ما چو باغ سبز و خوش
او نہاں و آشکارا بخشش

تو چو جانی ما مثال دست و پا قبض و بسط دست از جان شد روا
تو چو عقلی ما مثالِ این زبان این زبان از عقل یابد بیان

تو مثالِ شادی ما خندہ ایم
کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

(عارف رومؒ)

وہ کریم مطلق جو اندرون بیرون، غیب و شہادت، ظاہر و باطن کے ہر ہر امر کا مؤثر حقیقی اور لاشریک خالق ہے۔ جس کی ربوبیت سے موجودات کا ذرہ ذرہ قائم ہے۔ اور جس کی عظمت کے سامنے ہر شے سر افگندہ ہے۔ اسی لائق ہے کہ ماسوا کی ہر چیز کی نفی کرتے ہوئے اسی سرچشمۂ بقاء و حیات کی طرف کلیتہً متوجہ ہو کر اپنے کو اس کے سپرد کر دیا جائے۔ کہ تسلیم و رضا کا مقام اور محبت کی خلوتیں "آفلین" کے ترک کیے بغیر مشکل ہیں۔ اسی لئے دین حنیفی کے مؤسس اوّل ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اپنی ملکوتی سیر میں پہلا قدم آفلین کی محبت کی نفی سے کیا قالَ لا احبّ الآفلین اور پھر پکار اٹھے :-

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ؇

ترجمہ میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ کو اسی کی طرف جس
نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں
ہوں شرک کرنے والا۔ (الانعام - ۹)

پس ملتِ حنیفی کے ہر پیروکار کا یہ فرض ہے کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی کی طرف یکسوئی اختیار کرے کہ حنیفیت ظاہر و باطن میں کسی غیر کی طرف توجہ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اور کسی سفلی و علوی مخلوق کو اپنی جگہ قرار نہیں لینے دے سکتی اس کی اصلی منزل اور اس کا مقصد وحید ذات متعال ہے :۔

بزیر کنگرہ کبریائش مردانند فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر!
در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!

مردِ حنیف کی تمناؤں کا محور اس کی امنگوں کا منتہا اور اس کے ارادوں کا نشیمن وہی ذاتِ جمیل ہے۔ جس کے سوا محبوب بننے کا سزاوار کوئی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حسنِ ازل کے سب سے بڑے ادا شناس فداہُ ابی و امّی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو جن تعلیمات سے روشناس کیا ان میں سرعنوان یہ مضمون تھا کہ کائنات کی کوئی ہستی علویات کی کوئی شے، سفلیات کی کوئی چیز حمید مطلق کے سوا تمہارا کعبہ مقصود نہ ہو۔ عزت و جاہ کی خواہش مال و دولت کی حرص، نمود و نمائش، کبر و تفاخر اور کوئی نفسانی خواہش تمہاری توجہ کا مرکز نہ بنے۔ بلکہ تمہاری پوری کی پوری زندگی کا منشا و مقصد ذاتِ باری ہو ارشاد ہوتا ہے :۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ؇	سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کے اسکے
اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط	واسطے بندگی۔ سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے
(الزمر)	بندگی خالص۔

اس کی بارگاہ احدیت میں کوئی ایسا کام مقبول نہیں جس میں ماسوا کی رضا کا شائبہ بھی ہو۔ کہ محبوب حقیقی کی غیرت "بوئے غیر" کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اسی لئے زبانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بار ارشاد ہوا کہ

" قیامت میں خدا اگلوں اور پچھلوں کو یک جا کریگا تو ایک منادی آکر پکارے گا کہ جس نے اپنے عمل کے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک ٹھہرا لیا ہو تو وہ اپنا ثواب اسی غیر سے مانگے کہ خدا سا جھے سے بے نیاز ہے "

(سیرت النبی جلد چہارم صفحہ ۵۸۱ بحوالہ سنن ابن ماجہ باب الریا ترمذی و مسند ابن حنبل)

اور اسی لئے بارگاہِ خداوندی کے سب سے بڑے رمز شناس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہو رہا ہے۔

قل انی امرت ان اعبد اللّٰہ	تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں
مخلصا لہ الدین ۝ وامرت لان	اللہ کی خالص کر کے اس کیلئے بندگی
اکون اول المسلمین ۝ قل انی	اور مجھ کو یہ (بھی) حکم ہوا کہ میں پہلا
اخاف ان عصیت ربی عذاب	فرمانبردار بنوں۔ کہہ دے کہ میں ڈرتا
یوم عظیم ۝ قل اللہ اعبد	ہوں، اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی
مخلصا لہ دینی ۝ فاعبدوا	کروں بڑے دن کے عذاب سے
ما شئتم من دونہ ط	کہہ دے کہ اللہ کی ہی بندگی کرتا ہوں
(زمر - ۲)	اپنی بندگی کو اس کے لئے خالص کر کے
	تو تم (اے کافرو) خدا کو چھوڑ کر
	جس کی چاہے عبادت کرو

حنیف و مسلم بندے کی پہچان ہی یہی ہے۔ کہ اس کا سر نیاز بارگاہ قدس کے سوا کہیں

جھکنے نہ پائے اس کا دلِ حریم ذات کے جلووں میں کھو کر رہ گیا ہو اور اس کی نگاہیں اس حسنِ بے جہت سے اس طرح مسحور ہو چکی ہوں۔ کہ التفات و توجہات کا مرکز مولائے قدوس کے سوا کوئی نہ رہا ہو

ع مصطفےٰ راضی نشد الا بذات

کہ ملّت حنیفی کے قافلہ سالار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قلبی کیفیات اور آرزوؤں کو دعا کے جامہ میں یوں پیش فرما رہے ہیں۔

اللّٰھم اجعل وساوس	اے اللہ کر دے میرے دل کے
قلبی خشیتک و ذکرک	خیالات (وسوسوں) کو اپنا خوف اور
واجعل ھمتی وھوائی	اپنی یاد اور میرے ارادہ اور خواہش
فیما تحب وترضیٰ	کو اس چیز میں کر دے جسے تو اچھا
	سمجھے اور اس سے راضی ہو۔

کہ وہ دل جس میں وہ سما جاتا ہے۔ اس کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہیں ڈال سکتا۔ جسے سورج کی روشنی میسر آجائے ذروں سے اقتباس نور نہیں کیا کرتا۔

میر اشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میر اشیمن بھی تو شاخ نشیمن بھی تو

اس حسن بے پردہ کے سامنے تمام حسن مستور، اور محبوب ازل کے سامنے تمام محبتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اور یہی وہ صدیقیت کا اونچا مقام ہے۔ جس کی طرف شاید ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

الّذین اٰمنوا اشد حبّا للّٰہ۔ (البقرہ)

جو ایمان لائے وہ ہر چیز سے زیادہ اللہ کی محبت رکھتے ہیں

کہ عین حسن پر یقین کامل۔ والہ و شیدا کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مستور ازل کا چہرہ بے

نقاب سامنے آجائے تو کون ہے جو ہوش و قرار قائم رکھ سکے۔

۵ وہ شہ دلربا جب سامنے آجائے ہے — تھامتا ہوں دل کو پر پہلو سے نکلا جائے ہے

اور یہ نتیجہ ہے اس قلبی ایقان و صدق کا جسے ہم اخلاص کے نام سے پکارتے ہیں۔ کہ دل کی کائنات پر جب حسنِ ازل کا فیضان ہوتا ہے۔ تو وہ انوار و تجلیات الٰہی سے متاثر ہو کر سراپا اس کے جلوؤں میں مستور اور کیفیات سرمدی میں مخمور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کاملاً اس کے تابع ہو کر اسی سے ہو جاتی ہے۔

من بجاناں زندہ ام و زجاں نیم
من زجاں بگذشتم و جانا نیم
چشم و گوش و دست و پایم او گرفت
من بدر رفتم سرایم او گرفت
ایں بصر دیں سمع چوں آلات اوست
بلکہ ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ از نایست نے از نے بداں
مستی از ساقیست نے از من بداں
چوں مرا دیدی خدا را دیدہ
گرد کعبہ صدق بر گردیدہ
گفتن من گفتن اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
ما چوں مست از دیدن ساقی شدیم
مست گشتیم از فنا باقی شدیم

(عارف رومی)

کہ ایمان کا صدق اور اخلاص تو یہی ہے۔ کہ جس حی و قیوم پر لفظاً ایمان لایا ہے اس کی ایک ایک کیفیت قلب کی گہرائیوں سے مشاہدہ کرے جب عین حیات و قیام محض وہی ہے۔ تو پھر عالم کی ہنگامہ آرائیاں اس سے نہ ہوں تو کس سے ہوں۔

اول و آخر تو ئی مادریاں

ہیچ ہیچے کے نماید در میاں

پس اخلاص دل کی اس سچائی کا نام ہے۔ کہ جس ذات واحد پر ایمان لایا ہے اس کے قلب کی انتہائی گہرائیوں میں سوائے اس کے کوئی پار نہ پا سکے۔ اور جو ایمانی الفاظ اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہوں۔ اس کے قلب کی اندرون کی آواز ہو۔ جس میں ظاہراً و باطناً کسی دوسرے کی رضا یا خواہش شامل نہ ہو۔ اور حق تو یہ ہے کہ اخلاص ایمان کی پختگی اور سچائی کا نتیجہ ہے کہ جب ذات واحد کا ہو چکا تو کسی دوسری طرف میلان اس کے ایمانی دعوے کی تکذیب کے مترادف ہے۔ اسی لئے ہر اس خواہش کی پیروی جو اس کی رضا کے لئے نہ ہو۔ معبود باطل کی پیروی قرار دی گئی۔

قرآن میں ارشاد ہے :-

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ	کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

(فرقان - ۴)

اسی وجہ سے اخلاص کی متقابل صفت ریا کو ایمان کے جھوٹے دعویداروں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسے کہ آیت ذیل سے مستفاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا	بلاشبہ منافق لوگ چال بازی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس چال کی سزا دینے والے ہیں۔ جب نماز کو کھڑے

كُسَالیٰ یُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء ۲۱)	ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت مختصر۔ (ترجمہ امام تھانویؒ)

یعنی باطن میں تو ان کے ایمان کی بو تک نہیں پہنچتی۔ ظاہری ظاہر میں اپنی اغراض کے لئے بن رہے ہیں۔ حالانکہ جس دن اندرونی بھید کھلیں گے تو وہ ظاہر جو باطن کے بغیر ہوں گے سراب محض بن کر رہ جائیں گے اور اپنے اس دھوکے اور فریب کے سبب جہنم کے عمیق ترین گوشہ میں پھینک دیئے جائیں گے (العیاذ باللہ) کہ ان کا دل اس سچائی کو قبول نہ کر سکا جس کا وہ زبانی دعویٰ کر رہے تھے اور ان کے قلوب کی گہرائیاں حق کے نور سے قطعاً مستفید نہ ہو سکیں۔ اسی لئے جہنم کے تاریک ترین گوشے ان کے سیاہ قلوب کا ٹھکانہ ہونگے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا (النساء - ۲۱)	بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاویگا۔ (ترجمہ امام تھانویؒ)

اس کے برعکس جن لوگوں نے تائب ہو کر خلوصِ نیت سے اپنے دین میں نئی جان ڈالی ہوگی۔ وہ مومنین کے ساتھ اجرِ عظیم کے مستحق ہونگے کہ عمل صالح کی قبولیت کی شرط اوّل اخلاص نیت ہے۔ چنانچہ اسی آیت سے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا	لیکن جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوا	اور اللہ تعالیٰ پر وثوق رکھیں اور اپنے
دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	دین کو خالص اللہ ہی کے لئے کیا کریں
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ	تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور
يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ	مومنین کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا
اَجْرًا عَظِيْمًا	فرمائیں گے ۔
(النساء ۔ ۱۴۱)	ترجمہ امام تھانویؒ)

کہ توبہ واصلاح، اعتصام باللہ خلوص فی الدین کے مظاہر ہی تو ہیں جب تک قلب اخلاص کی روشنی سے آشنا نہ ہوگا ۔ نہ تو توبہ کی حقیقت مل سکتی ہے ۔ نہ اصلاح کا دروازہ کھل سکتا ہے ۔ نہ اعتصام باللہ کی سنہری زنجیر ہاتھ آسکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ه	اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت اسی کے لئے خاص رکھیں ۔

کہ خالق کائنات کی، دلوں کو تاکنے والی نگاہیں ہمارے اندرون میں اس سچائی کو تلاش کرتی ہیں کہ میرا بننے کا دعویٰ کرنے کے بعد اس مدعی ایمان کی آنکھیں کسی دوسری طرف تو نہیں اٹکی ہوئیں ۔ ایمان صادق کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ قلب وظاہر کی تمام کائنات سمٹ کر دستِ محبوب میں آجائے ۔ اور ہم اپنے اندرون کے کسی گوشے سے بھی غیر کی طرف متوجہ نہ ہوں ۔ ہمارا مقصد وحید ذاتِ جمیل کی رضا ہو ۔ ہمارا ہر عمل اسی کی خوشنودی کے تاروں سے حرکت میں آرہا ہو ۔ اور ظاہر و باطن کی خواہشیں مٹ کر اسکی خواہش کے تابع ہو چکی ہوں

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

قرآن کی آیت ذیل اسی طرف رہنمائی فرما رہی ہے ۔

اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی
یعنی اپنے عالی شان پروردگار کی ذات کے سوا کوئی
مقصود نہ ہو ۔ الیل ۔ ۱)

ذات اقدس کی رضا کے متلاشیوں کا بارگاہ قدس سے نوازا جانا بھی یقینی ہے. کیونکہ جو اس کے سوا کسی کو نہیں چاہتے وہ بھی انہیں چاہنے لگتا ہے چنانچہ آیت بالا کے بعد رضائے مولا کی خوشخبری فوراً سنا دی گئی ہے. کہ اس کا چاہنے والا جب اس کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوتا تو اس کا خوش کرنا گویا اپنے سے نواز دینا ہے.

وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی (الیل ۔ ۱) اور یہ اللہ کی ذات کا چاہنے والا
عنقریب راضی ہو جاوے گا .

فگندی برمن از تا زنگاہے قربان نگاہ ہے تو شوم باز نگاہے!

یہی وجہ ہے کہ صدق و اخلاص کے یہ پیکر "مقام صدق " اور ملکِ مقتدر کی بارگاہ قدس میں جلوہائے ذات سے نوازے جائیں گے .

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ بے شک پرہیزگار ، باغوں میں اور نہروں
فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ میں سچائی کی نشستگاہ میں اس بادشاہ
مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ کے حضور جس کا سب پر قبضہ ہے.
(قمر ۔ ۳) ہونگے .

میرا ذوق تو یہی کہتا ہے کہ جن کے قلوب کے اندر ایمانی سچائی و اخلاص رچ چکا ہوگا . اس " سچائی کی نشستگاہ " کے نشین ہوں گے . بلکہ اس سے بڑھکر جو قلوب اس عالم میں اس کے سکون بخش روئے اقدس کے سوا کسی کے متلاشی نہیں تھے . وہاں بھی اس رخ کی جلوہ سامانیوں سے دل شاد رہیں گے .

وجوہ یومئذٍ ناضرۃ کتنے چہرے اس دن تروتازہ اور بانے

إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامہ - ۱۰) پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے

انسان کے قلوب واندرون کی یہی صدق وسچائی ہے جو اس کے اعمال میں جان ڈالتی اور اس کے افعال میں رنگ بھرتی ہے ۔ انسان کی صلاح وفلاح کا سارا مدار اسی اندرونی صحت وصفائی سے وابستہ ہے :۔

چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے :۔

الا وان فی الجسد مضغة	سن لو ! کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا
اذا صلحت صلح الجسد کله	ہے ۔ جب وہ درست ہوا تو سارا جسم درست
واذا فسدت فسد الجسد	ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا
کله الا وهی القلب .	اور سن لو کہ وہ دل ہے .

(بخاری ومسلم)

یہی وجہ ہے کہ رب العزت کی پاک نگاہوں کا مرکز بھی انسان کی قلبی گہرائیاں ہیں :۔

تو برون را بنگری وقال را — من درون را بنگرم وحال را

کہ انسان کی پوری زندگی کی تشکیل جن تصورات وخیالات ، احساسات وہیجانات کی بنا پر ہوتی ہے ۔ ان کا چشمہ یہیں سے پھوٹتا ہے ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی اعمال وافعال کے نقوش پہلے پہل ابھرتے ہیں اور انسانی زندگی جن خاکوں میں رنگ بھرتی ہے انکی تیاری کا مرکز بھی یہی مقام ہے گویا ہماری زندگی کی ایک ایک حرکت ہمارے اعضا وجوارح کی جنبش ہمارے اعمال کی بوقلمونیاں اور اخلاق وعادات کی نیرنگیاں ہماری اسی قلبی سی کا نتیجہ ہوتی ہیں جسے ہم کسی فعل کے صدور سے پیشتر قلب میں محسوس کرتے ہیں اور جسے ہم اپنے الفاظ میں نیت وارادے کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی فعل ہمارے قلبی ارادے کے بغیر نہیں ہوتا ۔ اور یہی قلبی ارادہ ہمارے ہونے والے کام کا مقصد ہوتا ہے ۔ گویا ہم ہر کام کرنے سے پیشتر اس کا مقصد ومنشا متعین کر لیتے ہیں اور ہمارا ہر کام اسی مقصد کے حصول کیلئے ہوتا

یہی وجہ ہے کہ نیت و ارادہ پر ہر فعل کے حسن و قبیح کا انحصار رکھا گیا ہے اگر نیت درست و نیک ہے تو کام بھی اچھا تصوّر کیا جائیگا۔ اور اگر نیت فاسد ہے۔ تو ہمارا وہ کام ، گو ظاہر میں کتنا ہی اچھا ہو۔ اپنے مقصد کے فساد کی وجہ سے بیکار اور کالعدم ہی جائیگا۔ کہ ہر کام اپنے مقصد کی وجہ سے ہی معتبر گردانا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقت کی پردہ کشائی حدیث کے ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔

انّما الاعمال بالنیات وانما	عمال کا مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کو وہی
لامرئٍ ما نوی فمن کانت	ملیگا جس کی اس نے نیت کی ، اگر
ھجرتہٗ الی اللّٰہ ورسولہ	ہجرت سے مقصود خدا اور رسول صلی اللہ
فھجرتہٗ الی اللّٰہ ورسولہ	علیہ وسلم تک پہنچنا ہے تو اس کی ہجرت خدا
وَمَنْ کانت ھجرتہٗ الی	کی طرف ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض کیلئے
دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا	ہے یا کسی عورت کے لئے ہے تو اس
فھجرتہٗ الی ما ھاجر الیہ	کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس
(صحیح بخاری ج۱ ص۲)	کی نیت سے اس نے ہجرت کی

ہجرت جو ایک نہایت عظیم اور مشکل عمل ہے اس کی مثال سے یہ واضح فرمادیا گیا۔ کہ تمہارا کوئی عمل خواہ ظاہر میں کسی قدر عظیم الشان و پرشکوہ ہو۔ اگر وہ فساد نیت کی زہر سے مسموم ہے۔ تو عند اللہ اس کا کوئی اجر نہیں، کہ اللہ تو تمہارے دلوں کی پوشیدگیوں کو دیکھتا ہے۔ کہ تم کس ارادے سے یہ کام سرانجام دے رہے ہو۔ وہ عمل کی ظاہری شکل کے بجائے اس کی حقیقت معنوی کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ قربانی جو اسلام کا ایک بڑا شعار اور خلیل اللہ کی سنّت ہے۔ اس کے متعلق بھی ارشاد ہوتا ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُ	خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون
ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التقوٰی منکم	نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا تقویٰ اس کو

(حج - ۵)   پہنچتا ہے۔

اور "تقویٰ" کا مقام وہی گوشت کا ٹکڑا ہے جسے ہم قلب کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو ہماری تمام نیتوں کا ماخذ و سرچشمہ ہے چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا:۔

التقویٰ ھھنا   تقویٰ کی جگہ یہی ہے۔

(صحیح بخاری باب تحریم ظلم المسلم)

نیتوں کے اس سرچشمہ کی پاکی وصفائی اعمال کی پاکی وطہارت کا سبب ہے۔ کل جزا کے دن اعمال کا حسن وقبح اندرون کی کیفیتوں کے مطابق ہی پرکھا جائیگا۔ اندرون کے بھید کھل کر انسان کے اعمال کو اپنے نور یا اپنی ظلمت سے ڈھانک لیں گے۔ اور کوئی پوشیدگی نہ رہے گی۔ چنانچہ کفار کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:۔

یَوْمَ تبلی السرائر ۵ فما لہ من قوۃٍ ولا ناصرۃ   جس دن جانچے جائیں گے بھید تو کچھ نہ ہوگا۔ اس کو زور اور نہ کوئی مدد کرنے والا۔

(الطارق - ۱)

یعنی قیامت کے دن سب کی قلعی کھل جائے گی۔ دلوں کے پوشیدہ راز آشکارہو جائیں گے۔ چھپی چیزیں ظاہر کر دی جائیں گے۔ اعمال کی جانچ اندرون کی نیتوں کے مطابق ہو گی ظاہری بناوٹیں اور دکھاوا کچھ کام نہ آئیگا جو حقیقت ہو گی وہی ظاہر کر دی جائے گی زندگیاں نیات ومقاصد کے قالب میں ڈھل کر نکلیں گی۔ اس عالم میں جو کچھ ہمارے قلوب نے کمایا تھا، اس کا بدلہ ہمیں مل جائے گا۔ ورنہ بغیر حسن نیت واخلاص کے اعمال سراب بن کر رہ جائیں گے۔ کہ دین ہدیٰ میں قبولیت کی پہلی شرط نیت کا خالص ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں بھی نیتوں پر انسانوں کو اٹھایا جائے گا (واللہ اعلم)

چنانچہ اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے

ہوتی ہے جس میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبہ پر حملہ کرنے والے عساکر کے زمین میں دھنس جانے کا واقعہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ فرماتی ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو جیش الکعبۃ فاذا کانوا ببیداء من الارض یخسف باولہم وآخرہم قالت قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف یخسف باولہم وآخرہم وفیہم اسواقہم ومن لیس منہم قال یخسف باولہم وآخرہم ثم یبعثون علی نیاتہم ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک فوج کعبہ کی بربادی کے لئے جنگ (کا قصد) کرے گی۔ جس وقت بیداء میں پہنچے گی۔ تو ان میں کے اول و آخر سب کے سب زمین میں دھنس جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب کیوں زمین میں دھنس کر ہلاک ہوں گے۔ حالانکہ ان میں بازار والے اور وہ لوگ جو ان میں سے نہیں ہوں گے۔ (مثلاً ضعفاء اور قیدی کما قال ایضاً) ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ (اور وہ بے قصور ہوں گے) فرمایا سب کے سب دھنس کر ہلاک ہوں گے لیکن پھر قیامت میں اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے (جس کی نیت ہدم کعبہ کی ہوگی وہ سزا پائے گا جو بے قصور ہوگا وہ معاف کر دیا جائے گا)

(صحیح بخاری
باب ما ذکر فی الاسواق ص ۲۸۴
جلد اول)

یہ حدیث اس چیز کی صریاں دلیل ہے کہ انسانوں کو اعمال کی جزا انکی نیتوں کے مطابق ملے

گی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر عمل کیلئے نیت کی اصلاح پر نہایت ہی زور دیا ہے۔ ہر وہ کام جو صرف اللہ رب العزت کی رضا اور ذات کیلئے ہوگا۔ اللہ چاہے تو یقیناً مقبول ہوگا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ	اور جو یہ تمام کام خدا تعالیٰ کی خوشنودی
مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ	کے لئے کرے گا۔ تو ہم اس کو بڑا اجر
نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا	دیں گے

(نسا — ۱۱)

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ	اور جنہوں نے اپنے پروردگار کیلئے
رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ	صبر کیا۔ اور نماز قائم کی۔ اور ہم نے
اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا	جو ان کو دیا ہے اس میں کچھ چھپے اور
وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ	کھلے طریقے سے خرچ کیا۔ اور برائی
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ	کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔ انہی
لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔	کے لئے ہے۔ پچھلا گھر (یعنی عاقبت
(رعد — ۳)	کا چین) ہے۔

مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے:-

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ	اور تم تو خرچ نہیں کرتے مگر
وَجْهِ اللّٰهِ	اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

بعض مخلص صحابہ کرام (خصوصاً حضرت صہیبؓ) جو اللہ کی رضا کیلئے اپنا سب کچھ کفّار کو دے بیٹھے تھے۔ ان کے متعلق فخریہ انداز میں فرمایا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ	بعض ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ	خوشنودی چاہنے کیلئے بیچتے ہیں اور
رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ	اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

کہ جان دیکر بھی اگر رضائے محبوب حاصل ہو جائے تو نفع کا سودا ہے۔ بادہ الست کا ایک سرشار خبیبؓ اسی حقیقت سے دار و رسن کو زینت بخشتا ہے اور جان عزیز آستانِ حبیبؐ پر ان پرکیف نغموں کے شور میں پیش کرتا ہے:۔

ولست ابالی حین اقتل مسلما

علی ای شق کان للہ مصرعی

ترجمہ اور مجھے پرواہ نہیں جب کہ مسلمان قتل کیا جاؤں کہ اللہ کے لئے کون سے پہلو پر میرا (قتل ہوکر) گرنا ہوتا ہے۔

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشاء

یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ مرنا تو خدا تعالیٰ کے لئے ہے اگر وہ چاہے تو ان کٹے ہوئے جوڑوں پر برکت نازل کر سکتا ہے۔ باب ہل یتاسر الرجل صہ ۴۲۸ جلد ا۔

اخلاص اور رضائے الٰہی کی طلب ہی اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے۔ ورنہ اعمال کا ڈھانچہ اخلاص کے بغیر بالکل کھوکھلا ہے جس کی اللہ کے ہاں کچھ بھی وقعت نہیں بلکہ وہ حسرت و یاس کا سبب ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو ایک تمثیل کے ذریعہ سے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَا	اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے
لَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ	مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے
اللّٰهِ وَ تَثْبِیْتاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا	اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں کو اس
وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	عمل شاق کا خوگر بنا کر ان میں پختگی پیدا کریں
بَصِیْرٌ ه اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ	مثل حالت ایک باغ کی ہے جو کسی ٹیلے پر

أَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ
وَّأَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَلَهٗ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَا
بَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا
إِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ہو کر اس پر زور کی بارش
پڑی ہو پھر وہ دونا دوگنا پھل
لایا ہو ۔ اور ایسے زور کا مینہ نہ پڑے
تو ہلکی پھوار بھی اسے کافی ہے اور اللہ
تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے
ہیں بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات
پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں
کا اور انگوروں اس کے درختوں
کے نیچے (نہریں چلتی ہوں ۔ اس
شخص کے ہاں اس باغ میں اور بھی
ہر قسم کے (مناسب) میوے ہوں اور
اس شخص کو بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے اہل و
عیال بھی ہوں جن میں (کمانے کی قوت)
نہیں سو اس باغ پر ایک بگولہ آوے
جس میں آگ (کا مادہ) ہو پھر وہ باغ
جل جاوے اللہ تعالیٰ اسی طرح نظائر
بیان فرماتے ہیں تاکہ تم سوچو ۔
(ترجمہ امام تھانوی رح)

(البقرہ - ۲۶۶)

مذکورہ بالا آیتوں سے یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ اخلاص والا عمل ہی اللہ کے ہاں پھلتا اور پھولتا ہے ۔ اور جو عمل بغیر اخلاص کے کسی پر احسان دھرنے کی نیت سے کسی کو ممنونِ احسان بنا کر شرمانے اور طعنہ دینے کے ارادے سے یا لوگوں کو دکھانے سنانے

کیلئے کیا جائیگا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی چکنے پتھر پر مٹی تھا پڑجائے اور بارش کے برسنے سے وہ زیادہ صاف ہو کر رہ جائے۔ گویا اس کا عمل سخت اور چکنے پتھر پہ مٹی تھا جسے اس کے فساد نیت کے پانی نے دھوڈالا۔ فساد نیّت اور عام اخلاص سے اعمال جس طرح برباد ہوتے ہیں. کس قدر واضح اور دلنشین مثال سے بیان فرمایا۔

کہ دیکھو اپنے اعمال کے لہلہاتے اور پرمیوہ باغ کو ریا وغیرہ سے برباد مت کرو کہ جس طرح ایک بوڑھا ضعیف شخص جو ہر قسم کے پھلوں سے بھرپور باغ کا مالک ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے رکھتا ہو جو کمانے کے لائق نہ ہوں، اور بوڑھے باپ اور ننھے بچوں کی زندگی کا سہارا یہی باغ ہو، ایسے میں ایک باد صرصر کا جھونکا اپنے اندر آگ لئے ہوئے آئے اور اس امیدوں کے سارے باغ کو آن کی آن میں بھسم کر کے رکھدے اور اس طرح اس محتاج و بیکس کی آرزوؤں کے خرمن کو خاکستر کر دے اور اسے ناامیدوں کی گھٹاؤں میں اس وقت چھوڑ دے جب کہ اس کی زندگی اور معاش کا سامان کچھ بھی نہ ہو سکتا ہو۔ اندازہ کیجئے حسرت و یاس سے اس بوڑھے کی کیا حالت ہوگی؟ اسی طرح قیامت کے دن جب کہ سارے سہارے ٹوٹ چکے ہوں گے، عمل کا وقت گذر چکا ہوگا اور انسان ایک ایک عمل کیلئے اس بوڑھے سے زیادہ محتاج ہوگا، اس شخص کی کیا حالت ہوگی، جس نے زندگی بھر اپنے اعمال سے ظاہر میں خوشنما باغ تو لگایا تھا لیکن فساد نیت کی آگ کے شعلے ہر عمل کی تہہ میں چھپا رکھے تھے، عین ضرورت و محتاجی کے وقت اعمال کا یہ حسین باغ بدنیّتی کے شعلوں سے جل کر رہ جائیگا. سوائے حسرت و یاس ناکامی و نامرادی کے کچھ اس کے ہاتھ نہیں آئیگا، چنانچہ کفار کے متعلق جو کہ ایمان کے فقدان کی وجہ سے اخلاص کی نیت سے قطعاً کورے ہیں ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ

اور جو کافر ہیں ان کے کام ایسے ہیں جیسے میدان میں ریت،

اَلظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ — کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے اور
لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا ۔ — جب وہاں جائے تو اس کو کچھ نہ پائے

(النور ــ ۵)

غرض جو اعمال اللہ رب العزت کیلئے نہیں کیے جاتے انکی حیثیت سراب سے بڑھ کر نہیں۔ بلکہ یہ عمل کالعدم ہو کر انسان کی حسرت و یاس کا سبب بنیں گے کہ اعمال میں حسن و قبح نیت کی اچھائی برائی سے آتا ہے :۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نیتوں کے تفاوت و تضاد سے ایک ہی عمل کے تین مختلف نتیجے بیان فرمائے ۔ فرمایا کہ گھوڑا باندھنا کسی کے لیے اجر کا موجب، کسی کیلئے پردہ پوشی اور کسی کیلئے گناہ کا سبب ہے ۔ جو خدا کی راہ میں باندھتا ہے اجر کا موجب اور اس کی چراگاہ میں رسی لمبی رکھتا ہے۔ تو اس کے چرنے اور اونچائی پر چڑھنے پھرنے ، قدموں کے نشان ، لید کرنے اور پانی پینے (غرض ہر چیز کا) ثواب ملتا ہے، پردہ پوشی اس کیلئے ہے جو ضرورت کیلئے باندھتا ہے کہ خدا نے اسے دولت دی ہے، تو اسے اپنی ضرورت کی چیز دوسرے سے مانگنی نہ پڑے ۔ اور وہ اس کی گردن اور پیٹھ میں جو اللہ کا حق ہے. ادا کرتا ہے اور گناہ کا سبب اس کیلئے ہے جو ریا و فخر اور اہل اسلام سے دشمنی کیلئے باندھتا ہے ۔

(صحیح بخاری باب شرب الناس والدواب من الانہار ص ۳۱۹)

(ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا تقریباً مطلب لکھ دیا گیا ہے۔

بہرالحال اعمال کا تمام تر مدار نیات پر ہے ۔ جو کوئی دینی اعمال سے دنیا چاہتا ہے اسے علام الغیوب انکے بدلے دنیا ہی دے گا اور آخرت میں اللہ کے پاس کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا ۔ اور جو شخص خالصاً لوجہ اللہ اپنے اعمال کے پودے کو سرسبز کریگا. وہ اللہ کے ہاں اس سے بدرجہا بہتر اجر و ثواب پائے گا اور سب سے

بڑھ کر رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو جائیگا۔ گویا نیت کے نتائج ہی ہیں دونوں عالم میں ملے گے۔
چنانچہ ایک بڑی اثر انگیز حدیث میں جسے بیان کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین مرتبہ بیہوش ہو کر گرے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عدالت کیلئے نزول فرمائیں گے اور ہر اُمت اپنی جگہ گھٹنے ٹیک دیگی اس وقت سب سے پہلے ان کی پیشی کا حکم ہوگا جو قرآن کے عالم تھے اور جو جہاد میں مارے گیے تھے اور جو دولت والے تھے پھر اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھیگا کیا میں نے تجھ کو وہ سب کچھ نہیں سکھایا جو اپنے پیغمبر پر اتارا تھا، تو تم نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا بار الہا میں شب و روز مسلسل میں قرآن پڑھتا رہا خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائیگا۔ تو تو اس لیے کرتا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ تو بڑا عالم اور قرآن خوان ہے۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا۔ (یعنی تو اپنا بدلہ پا چکا) پھر دولت مند سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر دنیا کشادہ نہیں کی یہاں تک کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا عرض کریگا۔ کیوں نہیں اے میرے رب! دریافت کریگا تو میں نے جو کچھ تجھے دیا اس میں تو نے کیا کیا؟ جواب دے گا۔ میں اہل استحقاق کا حق ادا کرتا تھا۔ اور خیرات دیتا تھا۔ ارشاد ہوگا۔ تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا تو تو اس لیے یہ کرتا تھا، تاکہ لوگ کہیں تو بڑا آدمی ہے۔ تو یہ تمہیں دنیا میں کہا جا چکا (تو اپنا بدلہ پا چکا) اس کے بعد وہ لایا جائیگا جو جہاد میں مارا گیا تھا۔ تو خدا تعالیٰ اس سے دریافت کریگا تو کس بات کیلئے مارا گیا؟ کہے گا خدایا تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا۔ تو میں لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے یہ جھوٹا ہے۔ خدا کہے گا تو تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھ کو بہادر

کہیں ۔ تو دنیا میں تجھ کو کہا جا چکا ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

(سیرت النبی صـ ۶۲-۶۳ جلد ششم)

(بحوالہ جامع ترمذی باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر بہت روئے پھر بولے خدا اور اس کا رسول سچا ہے ۔ اور اس حدیث کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی :۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	جو کوئی دنیا کی زندگی اور
وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ	اس کی رونق چاہتا ہو
اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ	تو ہم اس کا عمل اسی دنیا
لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ	میں پورا کردیں گے ۔ بے کم
الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي	وکاست ، ان لوگوں کا
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ	آخرت میں کوئی حصہ نہیں
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا	مگر دوزخ اس دنیا میں
فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا	انہوں نے جو بنایا وہ مٹ
يَعْمَلُوْنَ ۝	گیا اور جو کیا وہ برباد
(ہود ــــ ۲)	ہو گیا (سیرت النبی صـ ۶۴-۶۳)

غرض ہمارا ہر وہ عمل جو ذات الٰہی یا رضائے الٰہی کے مقصد کے علاوہ ہماری اور کسی قلبی خواہش سے ملوث ہے ۔ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق نہیں ۔ کہ اس کے سوا کسی دوسرے کا چاہنا اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں ۔ کہ اس کا بنتے ہوئے دوسرے کی طلب شرک ہے ۔

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں   خدا کا نہ ہو جو مسلماں ہو کر

اسی لئے ریا کو متعدد احادیث میں شرک کہا گیا ہے ۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :۔

قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتذاکر المسیح الدجال فقال الا اخبرکم بما ھو اخوف علیکم عندی من المسیح الدجال فقلنا بلی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الشرک الخفی ان یقوم الرجل فیصلی فیزید صلوٰتہ لما یری من نظر رجل ۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۶ بحوالہ ابن ماجہ)

ابوسعید الخدری کہتے ہیں کہ ہم آپس میں مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے تھے ۔ کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے : اور فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے ؟ ہم نے کہا ارشاد فرمائیے ۔ فرمایا شرک خفی کہ (مثلاً) کوئی شخص نماز کیلئے کھڑا ہوا پھر نماز پڑھے مگر اس لیے پڑھے کہ کوئی شخص اس کو دیکھ رہا ہو ۔

غور کیجئے ۔ مسیح الدجال کا فتنہ وہ عظیم فتنہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء تک اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے چلے آئے ہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امت کو اس مہیب فتنہ سے بار بار آگاہ کیا ۔ جیسا کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے ۔ روزانہ نمازوں کے بعد زمانے کے اس عظیم فتنہ سے پناہ مانگی ۔ لیکن اس قدر ہیبتناک فتنہ سے بھی زیادہ خوفناک فتنہ ہمارے حق میں ریا کو قرار

ویاکاریا ہی وہ مہلک آگ ہے۔ جو قلوب میں نامعلوم طور پر وارد ہو کر اعمال کے خرمن کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے

چنانچہ بعض عرفا کا قول ہے۔

ادراک الریاء اصعب	ریا کا معلوم کرنا سیاہ
من دبیب النملۃ فی	پتھر پر اندھیری رات میں
لیلۃ الظلماء علی الحجر	چیونٹی کے چلنے کو معلوم
الاسود	کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(او کما قال)

کہ اگر کوئی کام کامل خلوص نیت سے بھی شروع کیا جائے۔ تو ہماری چھپی ہوئی نفسانی خواہش رینگتی ہوئی آ کر ہمارے قلب کی گہرائیوں میں فساد پیدا کر دیتی ہے۔ اور غالباً استغفار ماثورہ میں اسی طرف اشارہ پایا جا رہا ہے۔

(واللہ اعلم)

وَاَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ خَيْرٍ	اور معافی چاہتا ہوں میں
اَرَدْتُ بِهٖ وَجْهَكَ	تجھ سے ہر اس نیکی کے بارہ
فَخَالَطَنِيْ فِيْهِ مَالَيْسَ	کہ کرنا چاہا میں نے اس کو
لَكَ ۔	خالص تیرے لیے پھر مل گئی
	اس میں وہ چیز جو خالص تیرے
	لیے نہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ریاء کا خوف پیہم گریاں رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد نبوی میں آئے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو روضۂ مطہرہ کے پاس بیٹھے ہوئے روتے

ہوتے ہوتے پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا۔ اسے معاذ کیوں رو رہے ہو۔ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی۔ جو مجھے رلا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ "ریا" کا تھوڑا سا حصہ بھی شرک ہے۔ اور جس نے اللہ کے ولی سے عداوت کی اس نے اللہ تعالیٰ کو لڑائی کیلئے پکارا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پوشیدہ (غیر معروف و غیر مشہور) پرہیز گار نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں جو غائب ہوں، تو (عدم شہرت کی بنا پر) تلاش نہ کیے جائیں اور اگر حاضر و موجود ہوں تو (عدم واقفیت کی بنا پر) نہ (دعوت میں) بلائے جائیں نہ قریب کیے جائیں۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ اور وہ غبار آلود اندھیروں (اغلباً تیرہ و تاریک مکان مراد ہیں) سے نکلتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف باب الریا والسمعہ
صفحہ ۴۵۵)

حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ ایک دن وہ رو رہے تھے۔ ان سے پوچھا گیا۔ کیوں رو رہے ہو کہنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور چھپی خواہش نفس میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہے۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کریگی۔ آپ نے فرمایا "ہاں!" وہ چاند سورج پتھر یا بت کو نہیں پوجیں گے، بلکہ لوگوں کو دکھانے کیلئے عمل کریں گے۔

(مشکوٰۃ شریف ایضاً)

ریا اور عدم اخلاص کا یہی خوف تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خائف رکھتا تھا کہ (معاذ اللہ) وہ منافق نہ ہوں چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ کہ ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں تیس صحابیوںؓ سے ملا ہوں۔ جن میں سے ہر شخص اپنے پر نفاق کا خوف کھاتا تھا۔ اور ان میں سے کوئی نہیں تھا جو اپنے کو جبرئیل

اور میکائیل کے ایمان پر سمجھتا ہو۔

(صحیح بخاری باب خوف المومن ان یحبط عملا وہو لا یشعر

جلد اوّل ص ۱)

سرخیل تابعین حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا قول بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ نفاق کا خوف مومن ہی کھاتا ہے اور نفاق سے اپنے کو بری منافق ہی سمجھتا ہے۔ بخاری ص ۱۲/۱۴

جلیل القدر تابعی ابراہیم تیمیؒ فرمایا کرتے تھے۔

مَا عَرَضتُ قولی علی عملی	میں جب کوئی اپنا قول
اِلَّا خَشِیتُ اَنْ	اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں
اَکُونَ مُکَذِّباً	تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹا نہ
(بخاری ص ۱۲/۱۴)	ہوں

مخلصین کا یہ گریہ و خوف اس چیز کو اجاگر کر رہا ہے کہ نیت کا حسن و اخلاص ہی اعمال کی جان ہے۔ اور جہاں یہ آئینہ مکدّر ہوا۔ اعمال کا بہتا ہوا دریا سراب کے ذرّوں میں تبدیل ہو کر رہ گیا کہ دلوں کی پوشیدگیوں کو جاننے والے آقا کی باریک بین نگاہیں قلوب کی انتہائی گہرائیوں پر نظر رکھتی ہیں جیسا کہ اسرار عبودیت کے سب سے بڑے نقاب کشا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابی هریرة قال رسول الله	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
صلی الله علیه وسلم ان	روایت ہے، کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ
الله لا ینظر الی صورکم و	علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل تمہاری
اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم	صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے
واعمالکم	بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو

صحیح مسلم صـ ۳۱۷ جلد دوم   دیکھتے ہیں۔
مشکوٰۃ شریف صـ ۴۵۴

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریا اور دکھانے کی برائی متعدد طریقوں سے ذہن نشین فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ وشرکہ وفی روایۃ فانا منہ بری ھو اللذی عملہ
(مشکوٰۃ صـ ۴۵۴ بحوالہ مسلم)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ میں شرکت سے بے نیاز ہوں جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں (ریا وغیرہ سے) میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا۔ تو میں نے اس کو اور اس کے شرک کو لات ماردی (اور دوسری روایت میں ہے) میں اس سے بری ہوں۔ وہ (عمل) اس کیلئے ہے جس کے لئے اس نے عمل کیا۔

اس شرک سے مراد ریا ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

من صلی یرائی فقد	جس نے دکھاوے کی نماز
اشرک ومن صام یرائی	پڑھی جس نے دکھاوے کا روزہ
فقد اشرک ومن	رکھا شرک کیا۔ جس نے دکھاوے
تصدق یرائی فقد	کا صدقہ کیا اس نے شرک
اشرک	کیا۔

(مشکوٰۃ باب الریاء والسمعہ بحوالہ احمد)

محمود ابن لبید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

ان اخوف ما اخاف	میں سب چیزوں میں
علیکم الشرک الاصغر	سب سے زیادہ جس چیز
قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ	کا خوف تم پر کھاتا ہوں
علیہ وسلم وما الشرک	وہ شرک اصغر ہے صحابہ رض
الاصغر قال الریاء	نے پوچھا یا رسول اللہ
ایضاً	صلی اللہ علیہ وسلم شرک
	اصغر کیا ہے فرمایا دکھاوا

امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت پر یہ الفاظ بھی مزاد

کہتے ہیں کہ

یقول اللہ لھم یوم یجازی العباد باعمالھم۔ اذھبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظروا ھل تجدون عندھم جزاءً وخیراً
(مشکوٰۃ ایضاً ص۴۵۶)

جن لوگوں کو اعمال کا بدلہ دیا جائیگا یعنی قیامت کے دن اللہ رب العزت ان ریاکاروں سے کہے گا۔ جاؤ ان لوگوں کے پاس جنہیں تم دنیا میں دکھاتے تھے (جن کے دکھانے کیلئے تم نام نہاد نیک اعمال کرتے تھے) پس دیکھو کیا تم ان کے پاس انکا بدلہ اور خیر پاتے ہو (یعنی انکے پاس سے کچھ بھی نہ ملیگا) اور تمہارے اعمال یونہی اکارت جائیں گے۔

کیونکہ اعمال کی جزا سزا کا انحصار قلبی ارادے اور نیت پر ہے اور جب نیّت ہی فاسد ہو اور ذات علیم وخبیر کے سوا کسی اور کو اپنے عمل کا مقصد گردانا ہو تو ظاہر ہے کہ دلوں کے بھید جاننے والی ہستی ان اعمال کی جزا وہی دیگی جس کیلئے عمل کرنے والے نے عمل کیا ہوگا۔ چنانچہ جس دن دلوں کے بھید کھل جائیں گے۔ اندرون کی کیفیتیں شہود کا جامہ پہن لیں گی پوشیدگیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ اور اعمال نیتوں کے قالب میں متمثل ہو کر سامنے آجائیں گے تو جنہوں نے ماسوا کے دکھانے یا سنانے کیلئے نمائشی اعمال سے اپنے کو آرائش دی ہوگی۔ عرصۂ محشر میں ان دل کے کھوٹوں۔ نام ونمود کے متوالوں کے اعمال جو صرف دکھاوے کی پرچھائیاں تھیں، لوگوں کے سامنے ان کی بے ایمانی وغداری کا مظہر بن کر انکی رسوائی کا سبب بنیں گے (العیاذ باللہ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

عن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع سمع اللہ بہ ومن یرائی یرائی اللہ بہ

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے (طلب شہرت کیلئے) اپنے اعمال کو مشہور کیا۔

(مشکوٰۃ ص ۴۵۴ بخاری باب الریاء والسمعۃ ص ۹۶۲ ج ۲) اللہ تعالیٰ (بھی) اس کے اعمال کی (حقیقت و باطن) کی تشہیر کریں گے۔ تاکہ اس کی رسوائی و فضیحت ہو (اسی طرح) جس نے لوگوں کے دکھاوے کے لیے (بغیر اخلاص) سے عمل کیے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو اس کے اعمال کی (حقیقت اصلی) سے مطلع فرمائیں گے۔ (تاکہ وہ اپنی نیتِ فاسد کی بنا پر رسوا ہو)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس سے زیادہ تشریح آتی ہے۔ چنانچہ محدث بیہقی شعب الایمان میں روایت کرتے ہیں۔

انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سمع الناس بعملہ سمع اللہ بہ اسامع خلقہ وحقرہ وصغرہ

(مشکوٰۃ باب الریاء والسمعۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ جو شخص لوگوں کو اپنے اعمال (اپنی شہرت اور نیک نامی کے لئے) سناتا پھرتا ہے۔ اللہ رب العزت لوگوں کے کانوں تک اس کے (اعمال کی حقیقت) اور اس کا خبثِ اندرون پہنچا دیں گے۔ اور اسے حقیر و ذلیل کر دیں گے (العیاذ باللہ)

نیات و ارادے ہی اعمال کی جان کا حکم رکھتے ہیں کہ ہر کام کی اچھائی برائی اُن کے مقاصد کے پیش نظر ہی کی جا سکتی ہے کسی کو لاکھوں روپے اور زر و جواہر کے ڈھیر صرف نام

و نمود، شہرت اور ذاتی نفع کے لئے دے ڈالنے سے کسی صاحب حاجت اور بے نوا کو اخلاص نیت سے چند پیسے دے دینے بہتر ہیں کیونکہ ایک صرف اپنے مفاد کیلئے مدد کر رہا ہے اور اسکی داد و دہش میں مدد کی اصلی روح مفقود ہے اور دوسرا اپنی ذات کو بھلا کر لوجہ اللہ انسانی ہمدردی کے لئے کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرت سلیمہ کی نظر میں یہ دوسرا پہلے سے بدرجہا فائق ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بغیر اخلاص کے کثیر عمل سے بہتر ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَخْلِصْ دِیْنَكَ یَكْفِیْكَ — دین میں اخلاص پیدا کر تو
اَلْقَلِیْلُ مِنَ الْعَمَلِ — تھوڑا عمل تجھے کافی ہو جائیگا۔

اس دنیا میں بھی نیک نیتوں اور مخلصوں کے اعمال کی قدر کی جاتی ہے۔ اور ریاکاروں کے اعمال کے " بیوت العنکبوت " چند دن میں کالعدم ہو جاتے ہیں کہ روح عمل نیت ہے۔ نیت جتنی خالص ہو گی اعمال میں اتنا ہی نمو ہوگا۔ نیت اپنی قوت سے اعمال کی بقا کی ضامن ہوتی ہے۔ نیات میں خلوص و حسن سے جتنی قوت پیدا ہو گی اعمال میں اتنی ہی پائیداری آتی چلی جائیگی۔ اور نیت جس قدر تصنع اور ریاء سے ملوث ہوکر مضمحل ہو چکی ہو گی۔ اعمال کا ثبات و قرار بھی اس قدر کم ہوتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کے نخلِ نیت کو کفر و نفاق نے جڑ سے کھوکھلا کر دیا ہے اِن کے اعمال قطعاً بے جان و بے وزن ہوکر تلنے کے قابل بھی نہ رہیں گے۔ گو انہیں اپنے وہ اعمال کتنے ہی خوش نما معلوم ہوتے رہیں جیسا کہ آیتِ ذیل سے متبادر ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ

صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ط (الکہف ع ۱۲)

آپ ان سے کہیے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتلائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی۔ اور وہ (بوجہ جہل کے) اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی آیتوں کا (یعنی کتب الٰہی کا) اور اس سے ملنے کا (یعنی قیامت کا) انکار کر رہے ہیں۔ سو اس لئے ان کے سارے کام غارت ہو گئے۔ قیامت کے دن ہم ان کے (نیک) اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جسد بے روح، گل بے رنگ و بو کی قدر بازار میں کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ اعمال جو للہیت و احتساب یا اخلاص و حسن نیت کے جوہر سے خالی ہیں بے جان لاشوں کی مثل ہیں۔ جو امتداد زمانہ اور مرور ایام سے اپنے خبث باطن کی بنا پر زیادہ سے زیادہ خراب و متعفن ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور ان کا ظاہری حسن و صورت کسی کام نہیں آتا۔ ان کا وجود عدم اور ان کا جسم تودہ خاک ہو کر رہ جاتا ہے۔ جیسے اس عالم میں باد حوادث اڑا لیجاتی ہے۔ اور آنے والے دن حقائق کا انکشاف ہباءً منثورا بنا دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:-

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ كَرَمَادِ ﹰاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ -

(ابراہیم -۳-)

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی
حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دن تیزی
کے ساتھ ہوا اڑا لیجاتی ہے۔ ان لوگوں نے جو عمل کئے تھے۔ ان کا کوئی حصہ ان کو
حاصل نہ ہوگا۔ یہ بھی بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت امام تھانوی رح)

کہ کفر و نفاق کے ساتھ اخلاص و حسنِ نیت جو کہ اعمال کی جان ہے۔
جمع نہیں ہو سکتا۔ کہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اعمال کی بجا آوری کا نام ہے اور
اس میں یہ شرط ہے کہ بجا آوری مطابق اوامر و احکام ہو۔ اس لئے کافر و منافق کا کوئی
عمل اخلاصِ شرعی کا حامل ہو ہی نہیں سکتا اور اسی طرح خلافِ شریعت اعمال بھی مطلوبہ
اخلاص سے یکسر خالی سمجھے جائیں گے۔ گویا اخلاص کا دائرہ حدود اللہ اور سنتِ
نبویہ کے محیط سے باہر نہیں۔ یعنی جس طرح اعمالِ صالحہ (مامورات شرعیہ) کی قبولیت
کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ اسی طرح اخلاص کے قبول کیلئے اعمالِ صالحہ
کا ہونا ضروری ہے گویا قبولیت اعمال کے لئے اخلاص و عمل صالح لازم و ملزوم ہیں
اور ایک کے بغیر دوسرا نتائج کے اعتبار سے معتبر نہیں۔ غرض اعمالِ صالحہ کے لئے
خلوص نیت روح جسد کا حکم رکھتا ہے۔ جس طرح جسد بے روح کسی کام کا نہیں
اسی طرح اعمال بغیر حسن نیت کے بے فائدہ بلکہ وبال ہے۔ اور ان کی بقا اور وزن کے
لئے اخلاص کا وجود ضروری ہے:۔

اعمال میں نیت کا ہی وزن ہے۔ جس کے متعلق حقیقت اسلامیہ کے
بڑے راز داں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر
فرماتے ہیں:۔

واعلم ان النیۃ روح والعبادۃ جسد ولاحیاۃ

للجسد بدون الروح ، والروح لها حياة بعد مفارقة
البدن ولكن لا يظهر آثار الحياة بدونه ولذالك قال
الله تعالى لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن
يناله التقوى منكم وقال الرسول الله صلى الله عليه
وسلم ، انما الاعمال بالنيات وشبّه النبي صلى الله
عليه وسلم في كثير من المواضع من صدقت
نيته ولم يتمكن من العمل لمانع بمن عمل ذالك العمل
كالمسافر والمريض لا يستطيعان وردًا وظيفًا عليه
فيكتب لهما كصادق العزم في الانفاق وهو يملق
يكتب كانه انفق واعطى بالنية المعنى
الباعث على العمل من التصديق بما اخبر به الله
على السنة الرسل من ثواب المطيع وعقاب العاصي
او دحب بامتثال حكم الله فيما امر ونهى ولذلك
وجب ان ينهى الشارع عن الريا والسمعة
ويبين مساويها اصرح مايكون ضمن ذالك قوله
صلى الله عليه وسلم ان اوّل النّاس يقضى
عليهم يوم القيمة ثلاثة رجل قتل في الجهاد
ليقال هو رجل جرئ ورجل تعلم العلم وعلمه
ليقال هو عالم ورجل انفق في وجوه الخير
ليقال هو جواد فيومر بهم فسيحبون
على وجوههم الى النّار وقوله صلى الله

علیہ وسلم عن اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملاً اشرک فیہ غیری ترکتہ وشرکہ اما حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمدہ الناس علیہ قال تلک عاجل بشری المومن فمعناہ ان یعمل العمل لا یقصد بہ الا وجہ اللہ فینزل القبول الی الارض فیحبہ الناس و حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قلت یارسول اللہ بینا انا فی بیتی فی مصلای اذ دخل علی رجل فاعجبنی الحال التی رآنی علیہا قال رحمک یا اباھریرہ لک اجران اجر السر واجر العلانیہ فمعناہ ان یکون الاعجاب مغلوبا لا یبعث بمجردہ علی العمل واجر السر اجر الاخلاص الذی یحقق فی السر واجر العلانیہ اجر اعلاء دین اللہ و اشاعت السنۃ الراشدہ

(حجۃ اللہ البالغۃ جلد دوم مباحث الاحسان)

جان لو کہ عمل کی روح نیت ہے۔ اور عبادت اس کا بدن ہے۔ اور بغیر روح کی بدن کی حیات نہیں ہوتی اور روح کو مفارقت بدن کے بعد (بھی) (ایک قسم کی) زندگی رہتی ہے۔ لیکن

زندگی کے آثار بغیر بدن کے پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (قربانی) کے بارے میں فرماتے ہیں " قربانی کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہاری پرہیزگاری کا جذبہ اس تک پہنچتا ہے " (جو کہ اصلی مقصود ہے لیکن کیونکہ پرہیزگاری جو کہ قلبی اتفاق کا نام ہے بغیر ظاہری صورت کے کامل طور پر متحقق نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ظاہری قربانی لازم آئی ورنہ اصلی مقصود الٰہی تقویٰ و نیت ہے)

اور (اسی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ اور (اسی کی بنا پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواضع میں اس شخص کو جس کی نیت صادق ہو۔ لیکن اس کو عمل کرنے سے کوئی چیز مانع ہو۔ اسے عمل کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسے مسافر و مریض اگر ان کو صحت و اقامت کے وقت میں کسی وظیفہ کا التزام تھا۔ اور اب ان سے سفر و بیماری کی مجبوری کی وجہ سے وہ عمل نہیں ہو سکتا۔ تو بدستور ان کے نامۂ اعمال میں وہ وظیفہ لکھا جاتا یا (اس شخص کی مثال ہے)

جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پختہ و مستحکم ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ تنگ دستی کے سبب سے نہیں کر سکتا۔ (اپنی نیت کی بنا پر) وہ شخص خرچ کرنے والے کے برابر لکھا جاوے گا۔ اور نیت سے ہماری مراد وہ معنی (مدعا و مقاصد) ہیں جو عمل کا (سبب اور باعث بنتے ہیں) اور عمل پر انسان کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین علیہم السلام کی زبانی اطاعت کرنے والوں کا جو ثواب اور نافرمانوں کا جو عذاب بتایا ہے۔ اس کی تصدیق کرنی، یا خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی بطیب خاطر

بجاآوری سے خوش ہونا (کہ انسان میں نیک اعمال کی طرف مبادرت کرنے کا ارادہ پیدا ہونے کی اصل یہی اسباب ہیں ۔ انہی کی بنا پر نیکی کی خواہش اور بدی سے نفرت ہوتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے امتثال امر پہ خوشی حاصل ہونے کی عادت پیدا ہوتی ہے ۔) (جو کہ خالص نیت کی جڑ ہے) اسی وجہ سے (یعنی نیت کو صاف کرنے کی ضرورت کی بنا پر) شارع علیہ السلام کو ریا و سمعہ (دکھاوا اور سنانا) سے روکنا پڑا اور ان کی برائیوں کو صاف طور پر بیان کرنا لازم ٹھہرا ۔ چناں چہ انہی وجوہات کی بنا پر (کہ اللہ کو خالص نیت مقبول و منظور ہے ۔ اور اعمال میں حقیقتاً نیت ہی مقصود ہے) ریا اور سمعہ کی برائی کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ لوگوں میں اول جن پر قیامت کے دن حکم کیا جائے گا وہ تین شخص ہیں ۔ ایک تو وہ شخص جو جہاد میں اس لیے شہید ہوا کہ لوگ اسے دلیر کہیں ۔ دوسرا وہ شخص جس نے پڑھ کر علم دوسروں کو اس نیت سے سکھایا ۔ تاکہ لوگ اس کو عالم بتائیں ۔ تیسرا وہ شخص جو نیکی کے مصارف پر مال خرچ کرتا ہے ۔ تاکہ لوگ اسے سخی کہیں ۔ ایسے لوگوں کو (ان کی فساد نیت کی وجہ سے) جہنم میں ڈالے جانے کا حکم کیا جائے گا ۔ اور پھر وہ چہروں کے بل دوزخ کی طرف گھسیٹے جائیں گے (ریا و سمعہ کی مذمت میں) دوسری وہ حدیث قدسی ہے ۔ جس میں ارشاد باری ہے ۔ میں سب شریکوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں جس آدمی نے میرے سوا کسی کو شریک کر کے کوئی کام کیا ۔ تو میں نے اس کو مع اس کے شریک کے (ناراض ہو کر) چھوڑ دیا ۔

(اور نیات کی حقیقت کے بارے میں) جو حدیث حضرت ابی ذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا، ایمان والے کی یہ پہلی نشانی ہے "

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اللہ کے لئے عمل کرتا ہے اور اس کا مقصد نمود و نمائش یا کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ زمین پر اس کے لئے قبولیت (اللہ رب العزت ملا اعلیٰ اور حظیرۃ القدس کی رضامندی کی وجہ سے) نازل ہوتی ہے۔ اور جو لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اور حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ (جس میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر میں اپنی جائے نماز پر بیٹھا تھا کہ اسی اثنا میں ایک آدمی میرے پاس (غیر متوقع طور پر گیا) آگیا۔ میری طبیعت اس بات پر خوشی ہوئی کہ اس شخص نے مجھے اس (عبادت کی) حالت میں دیکھا (یا رسول اللہ کیا یہ عُجب قبیح تو نہیں) آپ نے فرمایا اے ابا ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ پر اللہ کی رحمت تیرے لئے دو اجر ہیں۔ ایک پوشیدگی کا اور ایک ظاہر کا۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عُجب (نفسانی جو قبیح ہے) مغلوب ہو۔ اور صرف عجب نفسانی عمل کا باعث و سبب نہ ہوا ہو۔ (کہ اعمال میں نیت مقدم ہے۔ یعنی اگر نیت شہرت پر خوشی ہونے کی نہ تھی۔ بلکہ صرف اللہ رب العزت کے لیئے کام کیا گیا تھا۔ اور بعد میں لوگوں کو معلوم ہوا۔ اور فطرتاً اپنی اس اچھی حالت پر خوشی حاصل ہوئی۔ تو یہ برا نہیں کہ برائی تو اس وقت ہے جب مقصد ہی نیک اعمال سے شہرت طلبی ہو۔

اجرالسر (یعنی پوشیدگی کے اجر) سے اخلاص کا ثواب مراد ہے کہ
اخلاص ایک پوشیدہ چیز ہی تو ہے۔ اور اجرالعلانیہ (اجر
ظاہر) سے مراد یہ ہے کہ اخلاص کر اللہ کے دین کے بلند کرنے اور سنتِ راشدہ
کی اشاعت کا اجر تجھے ملے گا۔ (کہ اس شخص نے اس حالت میں دیکھ کر یہ
معلوم کر لیا ہوگا کہ اللہ والے خلوت و جلوت ظاہر و باطن میں اسی کے ساتھ
مشغول رہتے ہیں۔ جو ممکن ہے۔ اس کی اصلاح کا سبب بھی
بن جائے اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اعلانِ خیر تو ہو ہی گیا۔ جو
مقصد ہے۔)

شاہ صاحب قدس سرہٗ کے مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت
اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اعمال پر نیت کی ہی روح کلیتاً ساری و طاری
ہے، اور نیت، نے عمل کو نور و ظلمت کے جس رنگ میں رنگ دیا ہے۔
افشاء رازکے دن اعمال انہی نیات کے رنگین لبادوں میں ظاہر ہوں گے۔ فاسد
نیتوں والے خفاء (پوشیدگی) کے اس اظہار و اعلان کے بعد اپنی خبث
باطن اور برے ارادوں کو چھپانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ اور دائمی خسارے
اور ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۞ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ

(الطارق - ۱۰)

جس روز سب کی قلعی کھل جائے گی۔ پھر اس
انسان کو نہ تو خود (مدافعت) کی قوت ہو گی۔
نہ اس کا حمایتی ہو گا۔

(ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ)

اور جنہوں نے اپنے نیتوں کے سرچشمے کو ہر قسم کی آلائش اور باطنی گندگی سے پاک وصاف رکھا ہوگا۔ اور اپنی نگاہیں ذات قدوس پر جما کر اپنی نجات کا مقصد و محور اسی کو قرار دیا ہوگا۔ ان کے اعمال کی ستھرائی اور پاکی ان صاف شفاف موتی کے دانے کی طرح ہوگی۔ جن جن کا ظاہر و باطن اپنی جاذبیت اور حسن و خوبی کی بنا پر دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر رہا ہوگا۔ اور وہ فرحاں و خنداں اپنے اعمال نامے اس ہنگامہ دار و گیر میں انتہائی انبساط اور کمالِ طمانیت سے لوگوں کو دکھاتے پھریں گے۔ اور پھر سرمدی فوز و کامرانی سے ہمکنار ہو جائیں گے:۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَاۗؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗــــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝

(الحاقہ — ۱)

اس دن سامنے کیے جاؤ گے چھپی نہ رہے گی تمہاری کوئی چھپی بات۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے۔ لیجیو پڑھو میرا لکھا۔ (اعمالنامہ) میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب سو وہ ہیں من مانتے گذران میں اونچے باغ میں۔ جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔ کھاؤ اور پیئو۔ بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو۔ تم پہلے دنوں میں۔

(ترجمہ شیخ الہند قدس سرہٗ)

دوسری جگہ ارشاد ہے :-

إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ۝ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ۝ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ۝ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۝

(والصّٰفّٰت ــ ۲)

بے شک تم کو چکھنا ہے۔ عذاب دردناک اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے۔ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے۔ وہ لوگ جو ہیں۔ ان کے واسطے روزی ہے۔ مقرر، میوے اور ان کی عزت ہے۔ نعمت کے باغوں میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے۔ لوگ لیے پھرتے ہیں۔ ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا سفید رنگ، مزہ دینے والی پینے والوں کو، نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں گے۔ اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچے نگاہ رکھنے والیاں۔ بڑی آنکھوں والیاں۔ گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

سورہ الحاقہ کی مذکورہ بالا آیتوں میں " لا تخفٰی منکم خافیہ "
کے الفاظ سے گویا اس طرف اشارہ پایا جارہا ہے۔ کہ جن خوش نصیبوں کو دا ہنے ہاتھ
میں اعمالنامے دیکر لذیذ برکات و بر انعامات سے نوازا جائیگا۔ اِن کی چھپی
باتیں، ان کا اندرون باطن جس وقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائیں گے۔ تو
اِن کا اخلاص اور صدقِ باطن ہی ہوگا۔ جو ان کے اس اعزاز و اکرام کا باعث ہوگا کہ بغیر
اندرون کی سچائی کے کوئی عمل قابل التفات نہیں (واللّٰہ اعلم)
اسی طرح سورہ والصفت کی نقل کردہ آیتوں میں اخروی فوز و کامرانی کے سزاوار
وہی چنے ہوئے بندے (مخلصین) ہیں جن کے دل میں اخلاص رچ چکا ہے کہ اللّٰہ
رب العزت کے ہاں ہر نیکی کی قبولیت کی شرط اول اخلاص ہے بلکہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم نے تو اخلاص کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر پورے دین کو ہی اخلاص کا مترادف
قرار دیا ہے۔
— کہ جو طریقۂ زندگی رحمۃ للعلمین صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے توسط سے عالم میں بھیجا گیا۔
وہ اپنے قلبی و روحانی نور سے ہی اجساد و اجسام کو منور بناکر عالم کو بقعۂ نور بنانے والا
ہے۔ یہ قلب و باطن کی صفائی و پاکیزگی سچائی و اخلاص ہی ہے۔ جو انسان کے اعضاء
جوارح میں خالق کائنات کے اوامر کی قبولیت پیدا کر کے اسے ملاء اعلیٰ کے فیضان
قبول کرنے کے قابل بنانے اور رضا و قرب کی انتہائی منازل تک پہنچانے کا عادی
سبب ہے۔
زبانِ نبوت شہادت دیتی ہے کہ
سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا
جسم درست ہوا جب وہ بگڑا تو تمام جسم بگڑا اور جان رکھو کہ وہ دل ہے۔
(بخاری و مسلم)

الغرض ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی سراپا دل ہی دل تو ہے۔ جس کے منور ہونے میں کاشانۂ عالم کی روشنی اور جس کے بجھنے میں کرۂ ارضی کی تاریکی و ظلمت مضمر ہے۔ قلوب کی زندگی کا نور صدق واخلاص کا وہی عمیق جذبہ ہے جو انسان کو ایقان وعرفان کی دولت سے سرفراز کر کے بارگاہِ قدس کی نزدیکی کا سبب بنتا ہے۔ قربِ الٰہی کا زینہ نبویؐ زندگی کی کلید، اخروی فوز و فلاح کا سبب دنیاوی کامیابی کا راز صرف اخلاص ہی تو ہے۔ جس کی عمومیت عالم کا گہوارۂ رحمت اور انسان کو فرشتہ بنا سکتی ہے۔ جس خوش نصیب کو یہ دولت ہاتھ آ گئی۔ فوز و کامرانی کے انتہائی مدارج پر جا پہنچا یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی تشکیل میں حسن نیت واخلاص کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ قدم قدم پر اپنی نیتوں کی نگرانی اور قلبی کیفیتوں کی دیکھ بھال کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ آج جب کہ نبوی زندگی کی تشکیل ہماری زندگیوں میں عمومی طور سے ٹوٹ چکی ہے۔ اس مبارک زندگی کی طرف عود اور اس کی عمومیت بھی نیتوں کی اصلاح اور اخلاص پر موقوف ہے کہ علیم وخبیر آقا کی بارگاہ قدس سے جو ملتا ہے۔ قلوب کی کیفیتوں کو ہی (عادتاً) دیکھ کر ملتا ہے۔ پس جس قدر دل کے آئینے صدق واخلاص سے روشن ہونگے۔ اسی قدر عالم قدس کا فیضان نصیب ہو کر نبوی زندگی کی راہیں کھلیں گی۔ اور ظاہر و باطن در حقیقت محمدی ما سے مستفیض ہوتا چلا جائیگا کہ کونین کا حاصل حضور ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی ہی تو ہے۔ جس کی ایک ادا بھی جان جا کر بھی نصیب ہو جائے تو خدا کی قسم کامیابی ہی کامیابی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبلیغ

و

دعوت

اور اس کے تقاضے

امتِ محمدیہ امتِ مبعوثہ ہے

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری پیام انسانیت کے نام لے کر آئے۔ اور آپ کے نائب و جوارح کی حیثیت سے آپ کی امت کو اس پیغام کا حامل و داعی بنایا گیا۔ اور اس دعوتی ملت کے وجود و قیام و بقا کو اسلام کی دعوت وجہد و محنت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ امتِ محمدیہ مرحومہ امتِ مبعوثہ۔

ہے۔ جس کا مقصود عالم میں برپا کئے جانے کا مدعا، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ نصوص قرآنی اور احادیث کثیرہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔

آیہ کریمہ :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران — ۱۱)	تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو۔ اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

اس بعثت کا اعلان ہے۔

اُمت کا فریضہ

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس امت کا بہترین و خیر امت ہونا اس کے داعیانہ مقام اور آمر بالمعروف وناہی عن المنکر ہونے کی حیثیت سے ہے۔

بقول امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ :-

مِن تم خیر امةٍ بسبب كونكم امرين بالمعروف وناهين عن المنكر (تفسیر ابن کبیر ج ۳ ص ۲۶)	تمہیں خیر امت تمہارے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والا ہونے کے سبب سے بنایا گیا ہے۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے :-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۔	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میرا طریق ہے میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں۔ کریں

(یوسف ــ ۱۲) دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میری فرمانبرداری کرنے والے بھی

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں ۔

فیہ بیان انہ مبعوث بدعاء الناس الی اللہ عزوجل علی بصیرۃ من امرہ کانہ یبصر بعینہ وان من اتبعہ فذلک سبیلہ فی الدعاء الی اللہ عزوجل وفیہ الدلالۃ علی ان المسلمین دعاء الناس الی اللہ تعالیٰ کما کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک	اس آیت میں بیان ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے مبعوث کئے گئے ہیں ۔ اس طرح کہ آپ اپنی دعوت (دین) کے بارے میں پوری بصیرت و روشنی رکھتے ہیں ۔ گویا اس کی (حقانیت حقیقت) کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ اور جو آپ کا متبع ہے ۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اسی بصیرت سے بلاتا ہے ۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے ۔ کہ مسلمان بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح بلانے والے ہیں جیسے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ذمہ داری تھی ۔
(احکام القرآن ج ۳ صفحہ ۲۲)	

مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

یقول اللہ تعالیٰ الرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم والی الثقلین الجن والانس امراً لہ ان یخبر الناس ان ھذہ	اللہ تعالیٰ اپنے ثقلین (یعنی) جن وانس کی طرف مبعوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتا ہے ۔ کہ اے لوگوں کو خبر دے دیجئے ۔ کہ لا الٰہ الا اللہ

سبیلہ ای طریقتیہ ان لا الٰہ الا اللہ لاشریک لہ یدعوا الی اللہ بہا علیٰ بصیرۃ من ذالک ویقین و برھان وکل من اتبعہ یدعوا الی مادعا الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ بصیرۃ ویقین وبرھان عقلی وشرعی۔	وحدہ لاشریک لہٗ کی شہادت کی طرف دعوت ہی ان کا راستہ، طریقہ مسلک اور سنت ہے۔ اس شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس پر دلیل وبصیرت، یقین و برہان رکھتے ہوئے بلاتا ہوں۔ اور ہر وہ شخص جو ان کا متبع ہے۔ اسی بات کی طرف بصیرت ویقین کے ساتھ دعوت دیتا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۶)

گویا آپ کے اتباع کا لازمہ آپ ہی کی طرح یقین وبصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ میں مشغول ہونا ہے۔ اسی ذمہ داری کے پیش نظر خاتم النبیین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تربیت اس داعیانہ طرز پر فرمائی تھی کہ امت دین کی حامل اور داعی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیام کو آپ کی نیابت میں قیامت تک پورے عالم کو پہنچاتی رہے

بقول علامہ ابن حیان الاندلسی کے۔

"پوری دنیا کو خیر کی، کفار کو اسلام کی اور نافرمانوں کو اطاعت کی دعوت دیتی رہے "

(البحر المحیط جلد ۳ ص ۲۰)

امت کے اس داعیانہ منصب وحیثیت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ حضرت

سید الملت سید سلیمان ندوی رح اور بعض دیگر علماء نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بعثت ثانیہ قرار دیا ہے ۔

حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ، عالمگیر و دائمی بعثت ، قرآن کی ابدیت کا منطقی لازمہ یہی تھا ۔ کہ آپ کی امت آپ سے فیض پاکر آپ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنا کر آپ کے جوارح اور نائب کی حیثیت سے ہمیشہ دعوت کا فریضہ انجام دیتی رہے ۔ اور جملہ اقوام و ملل کا رشتہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین و احکام سے استوار کرتی رہے ۔ تاکہ قیامت تک دعوت کا الہٰی نظام قائم و دائم رہے ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کا یہ بلیغ فقرہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے ۔

اَلَا لیبلغ شاھد کم	تم میں جو حاضر ہیں غائب تک
غائبکم لا نبی بعدی	(میرا پیام) پہنچا دیں ۔ کہ میرے
ولا امۃ بعدکم	بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ۔ اور تمہارے
(البدایۃ والنہایۃ بحوالہ ابزار ج ۵ صہ ۲۰۲	بعد کوئی امت نہیں ہوگی ۔

صحیح بخاری و جامع ترمذی کی ایک روایت میں آپ کا قول " فلیبلغ الشاھد الغائب " ، نقل کر کے اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر بیان کیا گیا ہے

فو الذی نفسی بیدہ انھا	خدا کی قسم یہ کلمات حضور صلی اللہ
لوصیتہ الیٰ امتہ	اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو وصیت
(صحیح بخاری باب خطبۃ ایام المنیٰ ،	تھی ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۱۹۳ بحوالہ
ترمذی حدیث حسن صحیح)

بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں کچھ اور کلمات نقل کئے گئے ہیں۔

فان الشاھد عسٰی ان یبلغ من ھو اوعی لہ منہ

ممکن ہے حاضر العلم شخص اس شخص تک اس علم کو پہنچا دے جو زیادہ اس علم کو سنبھالنے (اور حق ادا کرنے) والا ہو۔

(صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم
رُبَّ مبلغ اوعٰی من سامع)

اس مفہوم کی روایات ترمذی ج ۲ ص ۹۰ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹ اور ابن ماجہ ص ۲۱ وغیرہ میں بھی ہیں۔ گویا یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ کم علم والے زیادہ علم وسمجھ والوں تک بھی دین کی بات پہنچانے میں شرم و دریغ نہ کریں۔ کہ دین کی سرسبزی وشادابی اسی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اسی مناسبت سے ارشاد ہے۔

نضر اللہ امرأ سمع منا شیئاً فبلغہ کما سمعہ	اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے ہم سے (دین کی) کوئی بات سنی پھر اسی طرح اسے
جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۵	دوسرے تک پہنچا دیا

اس بات کے پہنچانے میں علم کثیر کی ضرورت نہیں، بلکہ ہدایت ہے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ	دوسروں تک پہنچاؤ خواہ مجھ سے
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱ و	ایک آیت ہی (تم تک) پہنچی
ترمذی ج ۲ ص ۹۱)	ہو۔

آپ نے وفد عبد القیس کو فرمایا :۔

احفظوا واخبروا به من | جو ہدایات تمہیں دی ہیں) انہیں یاد
ورائکم | رکھو اور جو تمہارے پیچھے (تمہاری
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵) | قوم ہے) اسے اس کی خبر پہنچا دو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر میں جھنڈا عنایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

ادعهم الی الاسلام و | انہیں اسلام کی طرف بلاؤ (اور اگر
اخبرهم بما یجب علیهم | اسلام قبول کریں) تو انہیں ان احکام
فواللہ لان یهدی بك | کی خبر دے جو ان پر واجب ہیں، پس
واحد خیر لك من حمر | اللہ کی قسم ہے کہ اگر تیری وجہ سے ایک
النعم | شخص بھی ہدایت پاگیا تو تیرے لئے
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۳) | سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے

حضرت ابن سعد الساعدی کو بھی اسی طرح کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۹)

استقصا مقصود نہیں، کتاب وسنت کے دفاتر امت کے اس دعوتی منصب اور اس کے متعلقہ فرائض کے احکام وفضائل سے گرانبار ہیں، ان تعلیمات کا حاصل امام رازی رح کے موجز الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے

کونوا امة دعاة الی الخیر | ہو جاؤ تم ایک امت بھلائی کی
آمرین بالمعروف ناهین عن | دعوت دینے والی، نیکی کا حکم کرنے
المنکر۔ | کرنے والی، برائی سے روکنے والی

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹)

صحابہ رض کا نمونہ | انہیں ہدایات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رض میں ہر شخص امت کی بعثت کا مقر اور اس سے پیدا

شدہ تقاضوں کا داعی تھا، ان کا اُسوہ اور کارنامے امت کی دعوتی حیثیت کا ایک ناقابلِ انکار و بیّن ثبوت ہیں۔ تاریخ وطبقات اور رجال کی کتابیں صحابہ رض کی اس دعوتی زندگی سے پُرشور ہیں۔ ان میں ہر فرد امت کی بعثت کا اعتراف و اعلان علی رؤس الاشہاد کرتا تھا۔

جعفرؓ ابن ابی طالب نے نجاشی کے دربار میں، نعمان ابن مقرن نے کجکلاہ ایران یزدگرد کے سامنے اور مغیرہ ابن شعبہ نے رستم کو مسلمانوں کے سفراء کی حیثیت سے امت کے منصبی مقام کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ اس دعویٰ کی بیّن دلیل ہے

ربعی ابن عامر رض نے ایرانی سپہ سالار رستم کو اس بارے میں جو کہا تھا آج بھی ہر مسلمان کے لئے منشورِ ہدایت ہے۔

فرمایا:۔

اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ ومن ضیق الدنیا الی وسعتھا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام فارسلنا بدینہ الی خلقہ لندعوھم الیہ	اللہ تعالیٰ نے ہمیں مبعوث فرمایا ہے، تاکہ جسے اللہ چاہے ہم اسے لوگوں کی بندگیوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی فراخی میں اور (باطل) مذاہب کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں داخل کریں، پس اس نے ہمیں اپنے دین (کے پیغام) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ہم انہیں اس کے دین کی طرف بلائیں۔
(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد سوم صہ ۳۹)	

ہر صحابیؓ داعی تھا

یہی احساس تھا جس کی وجہ سے صحابہ رضؓ کا ہر شخص ایمان لاتے ہی داعی بن جاتا تھا، ابن اثیر الجزری رحؒ نے اُسد الغابہ میں کئی صحابہ رضؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے. کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے. ایمان لائے، اور پھر اپنے قبیلہ کو دین کی دعوت دی. (ودعا قومہ الی الاسلام ——— اسد الغابہ ج چہارم صـ ۲۲۳، ۲۲۹)

یہیچمدان سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا خاصہ تھا کہ جو بھی آپ کے دستِ پاک پر اسلام سے مشرف ہوتا تھا. انسان ہو یا جن ایمان کے نور کے ساتھ دعوت کا داعیہ وجذبہ، اور اس کے لئے قربانی وایثار جد وجہد کا غلبہ اس کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا تھا، صحابہ رضؓ کے کارنامے اس پر شاہد ہیں، مثال کے لئے ابتدائے اسلام میں صرف ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و دعوت اور جنات کے ایک گروہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو ایمان لاتے ہی سراپا دعوت تھے.

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی رسول اللہ ادعوک الی اللہ فلما فرغ من کلامہ اسلم ابوبکر فانطلق عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما بین الاخشبین احد اکثر سرورا منہ باسلام ابی بکر، ومضی ابوبکر فراح لعثمان بن عفان، وطلحۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے) فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، اور تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جب آپ کی بات ختم ہوئی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے (ان کے اسلام لانے کے بعد) ابوبکر رضؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے. اور مکہ کی

بن عبید اللہ والزبیر بن
العوام وسعد بن ابی وقاص
فاسلموا ثم جاء الغد بعثمان
بن مظعون وابی عبیدة بن
الجراح وعبدالرحمن
بن عوف وابی سلمہ بن
عبد الاسد والارقم فا
سلموا رضی اللہ عنہم

دو پہاڑیوں کے درمیان آپ سے
زیادہ ابوبکرؓ کے ایمان پر کوئی شخص
خوش نہ تھا، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بھی لوٹے اور عثمان بن عفان، طلحہ بن
عبید اللہ، زبیر بن العوام، سعد
ابن ابی وقاص کے پاس گئے۔ (اور
انہیں اسلام کی دعوت دی) اور وہ سب
اسلام لے آئے، پھر دوسرے دن
عثمان ابن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراحؓ
اور عبدالرحمان بن عوف، ابی سلمہ
بن عبدالاسد اور الارقم کو لیکر
آئے انہیں اسلام کی دعوت دی
اور سب اسلام لے آئے
رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر
جلد سوم ص ۲۹)

ابن اسحاق اس سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

فلما اسلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ واظہر اسلامہ دعا الی
اللہ عز وجل

یعنی جب ابوبکر اسلام لائے اور
اسلام کو ظاہر کیا، اللہ تعالیٰ
کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی۔

(اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۶، والبدایۃ والنہایۃ ج ۳ ص ۱۹)

ابن اثیرؒ نے لکھا ہے:۔

فجعل یدعوا الی الاسلام من

(یعنی جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو

یغشاہ ویجلس الیہ	جو لوگ ان کے پاس آتے تھے اور بیٹھتے تھے، برابر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

(اسدالغابہ جلد دوم صفحہ ۲۰۶)

چنانچہ اسی بنا پر آپ کے ہاتھ پر عشرہ مبشرہ کے پانچ افراد کے علاوہ ایک پوری جماعت اسلام سے مشرف ہوئی۔ (اسلم علی یدہ جماعۃ)

(اسدالغابہ تذکرہ عثمان)

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشغلہ ایمان لاتے ہی دعوت و تبلیغ بن گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کا ایک گروہ آیا، قرآن سنا اور ایمان لایا اور اپنی قوم کی طرف جب لوٹا، تو وہ اسلام کا داعی تھا،

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ج فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ج فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ه يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ	ہم نے جب جنوں کی جماعت کے رُخ کو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سُنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا چپ رہو۔ جب قرآن ختم ہو گیا۔ تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبردار کریں، انہوں نے جا کر کہا، بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا، جو موسیٰ ؑ کے بعد اتاری گئی ہے اس کے پہلے جو کتاب

مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہ	الٰہی ہے ، اس کی تصدیق کرتی ہے ۔ اور سچائی اور سیدھی راہ بتاتی ہے ۔ اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو ، اور اس پر ایمان لاؤ ، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے
(احقاف ۔ ۴)	

بہرحال مقصود یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن ہوں یا انسان ، ایمان لاتے ہی دین کے داعی اور مبلغ بن جاتے تھے ۔ وقت کی قلت مانع ہے ۔ ورنہ تفصیلاً بتایا جاتا ، کہ اسلام کے ان ابتدائی پیروکار طالبان حق و داعیان اسلام کی جماعت نے جن کے مجاہدات اور خون سے دین کا باغ برگ و بار لایا ، کس طرح اپنی جانوں پر سہہ کر ، آگ و خون ، مصائب و آلام ، شدائد و بلایا ، فقر و فاقہ ، ہجرت و نفر ، کے زہرہ گداز مراحل میں سے گزر کر ایمان و عمل صالح کا نمونہ اور دعوت و تبلیغ کا اسوہ پیش کیا تھا ، ایک بات واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں ، کہ جن صحابہ رض نے بھی آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ایمان کا عہد و پیمان باندھا ، سابقین صحابہ رض میں سے وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، عثمان و حیدر ہوں ، یا صہیب و بلال ، عمار و یاسر یا بعد کے آنے والوں میں عکرمہ و حارث ، سہیل و وحشی ہوں (رضی اللہ عنہم اجمعین) سب کی زندگیوں کا مخصوص امتیاز بیعتِ ایمان سے لے کر لقائے رب تک ایمان و عمل صالح کی کوشش کے ساتھ دعوت و تبلیغ اقامتِ دین و اعلاءِ کلمۃ اللہ کی مسلسل و پیہم جہد و محنت ہے ۔ صحابہ رض کی زندگی میں شخصی اعمال اور اجتماعی حقوق و فرائض کی ادائیگی اور داعیانہ کوششوں میں دوئی کہیں نظر نہیں آتی ایمان لاتے ہیں ، ذاتی اصلاح و شخصی اعمال کی فکر و پابندی کے ساتھ دعوت کے

لئے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں ۔ اور موت کے وقت تک احیاء و فروغِ دین کے لئے کوششوں اور قربانیوں میں کمی نہیں ہوتی :۔

قرآن گواہی دیتا ہے :۔

مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

پس بعض ان میں سے وہ ہیں، جنہوں نے پورا کر دیا ۔ اپنا عہد (یعنی جہاد میں جان دے دی) اور بعض وہ ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں ۔ اور انہوں نے نہیں بدل ڈالا کچھ بدل ڈالنا (یعنی اپنے عہدِ وفا کو نہیں بدلا)

بلکہ ان کی غیرتِ ایمانی اور اشاعت و بقائے حق کا والہانہ جذبہ دین میں ادنیٰ کوتاہی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا ۔ اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آ جاتا تو بے قرار ہو جاتے ۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور فقرہ " اینقص الدین و انا حی" اور حضرت انس بن النضر کا قول :۔

" قوموا فموتوا علیٰ ما مات بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم "

(زاد المعاد ابن قیم ص ۹۳/۲)

اسی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں ۔ صحابہ رض کا کوئی طبقہ ہمیں معلوم نہیں جو اپنے علم و استعداد کے بقدر دین کا حامل و داعی نہ ہو ۔ صحابہ رض کا یہی داعیانہ مزاج اور دین کی اشاعت کے لئے والہانہ و سرفروشانہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے اسلام تئیس سال کے قلیل عرصے میں عالم کی سب سے بڑی روحانی و سیاسی طاقت بن گیا ۔

علامہ ابن کثیر رح نے تفسیر میں ایک موقع پر کیا خوب لکھا ہے ۔

وقد کان للصحابۃ رضی اللہ — صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بہادری

عنهم في باب الشجاعة
والائتمار بما امرهم الله و
رسوله به والامتثال ما ارشد
هم اليه ما لم يكن لاحد من
الامم والقرون قبلهم
ولا يكون لاحد من بعدهم
فانهم ببركة الرسول صلى
الله عليه وسلم وطاعته
بما امرهم فتحوا القلوب
والاقاليم شرقاً وغرباً في
المدة اليسيرة مع قلة عددهم
بالنسبة الى جيوش سائر
الاقاليم من الروم والفرس
والترك والصقالبة و
البربر والحبوش واصناف
السودان والقبط وطوائف
بني آدم، قهروا الجميع
حتى علت كلمة الله
وظهر دينه على سائر
الاديان وامتدت الممالك
الاسلامية في مشارق الارض

و شجاعت اور اللہ تعالیٰ و رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی
فرمانبرداری اور ان کی ہدایات و پیروی
و تعمیل میں وہ اونچا مقام اور درجہ
ہے جس تک امم سابقہ اور قرونِ
ماضیہ میں کسی کی رسائی نہ ہو سکی تھی۔
اور نہ اس بلندی پر ان کے بعد کوئی پہنچ
سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور
آپ کے احکام کی تابعداری کی وجہ
سے تھوڑے سی مدت میں مشرق سے
مغرب تک قلوب و ممالک کو فتح کیا ا
اور اسی قلتِ مقدار کے باوجود، جو روم
، فارس، ترک، صقالیہ، بربر، حبش
قبائل سوڈان و قبط اور دوسرے
انسانی طبقات و ممالک کی فوجوں کے
مقابل میں تھی۔ انہوں نے سب
کو مغلوب کر لیا، یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو گیا ا
اور اس کا دین تمام ادیان پر
غالب آ گیا، اور ممالک اسلامیہ

ومغاد بها اقل من ثلاثين سنة فرضی اللہ عنہم و ارضاهم اجمعین	تیس سال سے بھی کم مدت میں روئے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل گئے ۔
(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۳۱۶)	(رضی اللہ عنہم و ارضاہم اجمعین)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقامتِ دین، اشاعتِ اسلام، تبلیغ و جہاد کے فرائض کو کمال انہماک، انتہائی خلوص، پورے فکر، کامل مستعدی اور بے جگری سے ادا کرکے خیرالامم کی آئندہ نسلوں کے لئے نمونہ قائم کردیا، کہ یہ شاہد علی الناس، آخرالامم خاتم النبیین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تاقیام قیامت، ہدایتِ خلق، تعلیم کتاب و حکمت، تربیتِ نفوس، تزکیہ قلوب، اجرائے احکام الٰہی، نفاذِ شریعت، کے پیمبرانہ فرائض اس کی روشنی میں ادا کرسکے۔ تاکہ عالم میں عدل و انصاف کی خدائی میزان قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہو۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عمومی کا مقصد پورا ہو،

ارشاد باری ہے :۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا	اور تم کو ایسی جماعت بنادیا، جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہی دینے والا ہو۔
(البقرہ ـــــ ۱۷)	

گویا یہ ملتِ عادلہ اس عالم میں اقوام عالم کو اعتدال و انصاف کے الٰہی

اصولوں پر چلانے کی اور عدل کے ربانی میزان کو برابر رکھنے کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے.
عالم آخرت میں بھی اس کی عادلانہ گواہی اُمم سابقہ پر میزان عمل کے وقت فیصلہ کن ثابت
ہو گئی. کہ یہ خیر الامم ، دارین میں مراد آلہی کے شیوع واجرائے اور دین ربانی کے پھیلنے کا
ذریعہ ہو ، اور عالم معاد میں خلائق انصاف کی تکمیل پر اس کی زبان عدل آخری
مہر ثبت کرے .
اسی مضمون کو سورہ حج کے آخر میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا
ہے :-

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۚ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ .

اور اللہ تعالیٰ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو . جیسا کوشش کرنے کا حق ہے ، اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا ، اور اس نے تم پر دین (کے احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی ، تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی (اس) ملت پر ہمیشہ قائم رہو اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے. (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور (اس قرآن) میں بھی تاکہ تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں . اور تم لوگوں کے اوپر گواہ ہو .
(الحج)

امّت عزلت و قعود کی زندگی نہیں گذار سکتی

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں اللہ تعالےٰ کی خلافت، انبیاء علیہم السلام اور خاص کر اپنے نبی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے جلیل منصب نوازی گئی، ہو جو نسلِ انسانی کی قیامت تک نگران بنائی گئی ہو۔ جسے وجود ہی دنیا میں نظام عدل کے قائم کرنے، احکامِ الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام و ملل کے لئے خیر و بھلائی کا نمونہ، تقویٰ و ہدایت کا امام و پیشوا بننے کے لئے [illegible] گیا ہو، جس کا فرضِ منصبی ہی دعوت الی الخیر، رہنمائی خلق، اشاعتِ احکام، اقامتِ دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو جس کا وظیفہ بنی آدم کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ، اخلاقِ عالیہ کی حفاظت اور الٰہی رنگ کا عالم میں نکھارتا ہو۔ کس طرح غفلت و قعود، عزلت و رہبانیّت کی زندگی گذار سکتی ہے؟ اس منصبِ رفیع اور مقاصد و فرائضِ عظیمہ کا تقاضہ اور لازمہ ہی دعوت و تبلیغ، جہد و جہاد، اور اقامت دین کے متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے۔ وہ تخت پر ہو یا بوریا و فقر پہ، ہر حال و ہر حالت میں ہر مقام و ہر وقت وہ داعی امت ہے، اور اشاعتِ حق و اقامتِ دین کی کوشش میں مشغول و مصروف۔ چنانچہ اس کا صحیفہ آسمانی دعوت و جہد فی اللہ کے نغموں سے پُر ہے۔

بقول علامہ ابن تیمیہؒ کے:۔

والقرآن مقصوده بيان الحق و دعوة العباد اليه	قرآن کا مقصود حق کا بیان اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے

(کتاب الرد علی المنطقین ص ۴۶۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ سراپا دعوت اور (انما بعثنی اللہ مبلغا

(ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۶۶)

کا عملی بیان ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صلحائے امت کا اسوہ اسی منصب جلیل کے بقا و قیام کی جد و جہد کا عالی شان منظر و مظہر ہے، اسلام کا دینی ذخیرۂ کتب اور علمی دفاتر اس عظیم ذمہ داری کے احکام و ہدایات سے روشن ہیں۔ اسی بنا پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت الی اللہ اور جہاد بالقرآن کا جو اہتمام و اہمیت اس امت میں رہی ہے۔ اس کی نظیر دوسری اقوام و ملل میں مفقود ہے۔ قرآن کریم نے دعوت بالقرآن کو جہاد کبیر قرار دیا ہے:۔

ارشاد ہے:۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْ	تو کافروں کا کہنا نہ مان، اور بذریعہ
هُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا	قرآن کے توان سے جہاد کر بڑا جہاد

(فرقان - ۵۰)

امام ابوبکر جصاص رازی رح حنفی نے اس پر قابل دید بحث کی ہے۔ اور اس جہاد بالعلم کو جہاد بالنفس وجہاد بالمال دونوں سے افضل قرار دیا ہے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اس جہد وجہاد کے متعلق امام موصوف ارقام فرماتے ہیں:۔

لیس بعد الایمان باللہ	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ
ورسولہ فرض آکد ولا	صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے
اولی بالایجاب من الجهاد	بعد کوئی فرض اتنا مؤکد اور وجوب
وذلك انه بالجهاد يمكن	میں اولیٰ نہیں، جس قدر جہاد
اظهار الاسلام واداء	ہے، کہ اسلام کا ظہور و غلبہ اور
الفرائض وفی ترك الجهاد	فرائض کی ادائیگی (دین کے فروغ)

لئے اور اس کی وجہ یہ ہے۔

غلبة العدو ودروس الدين وذهاب الاسلام

(واعلاء کلمۃ اللہ کی محنت) جہاد پر ہی موقوف ہے اور اس (دینی محنت) وجہاد کے ترک کا لازمی نتیجہ دشمن کا غلبہ، دین کا مٹنا اور اسلام کا رخصت ہو جاتا ہے۔

(احکام القرآن جلد سوم ص۱۴۲)

یہاں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہوگی۔ کہ ایرانی جرنیل کے اس سوال کے جواب میں کہ دین حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان اور ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرار کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دعوت کی کوشش ہی کو اسلام کا بنیادی عمل قرار دیا تھا۔

ان کے الفاظ ہیں:۔

واخراج العباد من عبادة العباد الى عبادة الله.

(شہادتین اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ اس کے بعد) سب سے اچھا عمل لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنا ہے

البداية والنهاية جلد ہفتم ص۳۹

امام غزالی رح نے کیا خوب لکھا ہے:۔

فان الامر بالمعروف والنهی عن المنكر هو القطب الاعظم فی الدین وهو المهم الذی ابتعث الله له النبیین اجمعین ولو طوی بساطه واهمل علمه

امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا مدار اعظم ہے۔ یہی وہ مہم (اہم ترین مقصد) ہے جس کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔ اگر اس بساط الٹ جائے تو اس کے علم وعمل

وعلمه لعطلت النبوة و اضمحلت الديانة وعمت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة و استرى الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد وهلك العباد ولم يشعروا بالهلاك الا يوم التناد

(احیاء العلوم جلد ۲ ص۳۰۲)

سے غفلت برتی جائے تو نبوت ہی معطل و بے کار ہو جائے، دین مضمحل ہو جائے اور جہالت پھیل گمراہی عام ہو جائے اور جہالت پھیل جائے۔ فساد چھا جائے۔ بربادی وسعت اختیار کرے، ملک برباد اور مخلوق ہلاک ہو جائے اور اس تباہی کا احساس بھی اتنا مر جائے کہ قیامت تک نہ ہو۔

امت کی منصبی ذمہ داریوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو بھی دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ہے۔

ارشاد ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ

(محمد ۔ ۱)

اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور جما دے گا تمہارے پاؤں۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

(الحج ۔ ٦)

اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا اس کی، جو اس کے (دین کی) مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی، تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعائیں مانگے گی، وہ بھی قبول نہیں ہو گی۔

ارشاد نبوی ہے۔

مروا بالمعروف وانھوا عن	نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔
المنکر قبل ان تدعوا اللہ	پیشتر اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا
فلا یستجیب لکم وقبل ان	مانگو، اور وہ قبول نہ ہو اور پیشتر
تستغفروہ فلا یغفر لکم	اس کے کہ اس سے مغفرت مانگو
(کنز العمال جلد دوم صفحہ ۲۴۶)	اور تمہیں نہ بخشا جائے۔

(بحوالہ احمد عن ابن عمرؓ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ تم ضرور نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر جلد عذاب بھیجے گا۔ پھر تم دعا کرو گے وہ بھی قبول نہیں ہو گی۔

(مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف بحوالہ ترمذی)

اس قسم کی متعدد روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں:۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی یہی اہمیت ہے، جو مسلمانوں کو سلطنت وحکومت میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رکھتی بلکہ مسلمانوں کو اگر تمکن فی الارض بخشا جاتا ہے، تو وہ شخصی و اجتماعی اوامر الٰہیہ کو نافذ اور عام کرنے کے لئے ہی عطا ہوتا ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں
الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ	ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز ۔
اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ	اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے
وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَ	کام کا اور منع کریں برائی سے اور
لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ہ	اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے آخر
(الحج ۔ ۶)	ہر کام کا ،

غرض امت کی جان دعوت الی اللہ ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے ، امت میں جس قدر ان اعمال کی پابندی ہوگی ۔ دنیوی واخروی فوز وکامرانی سے سرفراز ہوگی ۔ اور جس قدر ان اعمال میں کوتاہی واقع ہوگی ۔ امت زوال واضمحلال میں مبتلا ہوگی ، دین کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر قبول ہدایت کے لئے دروازے مفتوح ہوتے ہیں ۔ اور افراد واقوام دین میں داخل ہوتی ہیں

ارشاد الٰہی :۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدائی مدد اور فتح آجائے
رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ	اور تو لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در
دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ہ	جوق آتا دیکھ لے ، تو اپنے رب کی تسبیح
(نصر پ ۳۰)	اور حمد کرنے لگ اور اس سے مغفرت

مانگ ، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے :۔

(ترجمہ ابن کثیر پ ۳۰ ص ۱۱۱)

سے یہی مستفاد ہوتا ہے جس کی مؤید بے شمار آیتیں اور احادیث ہیں :۔

امّت کا خصوصی طرزِ تربیّت

گذر چکا کہ یہ خیر الامم ایک داعی امت ہے۔ جو تمام عالم کے انسانوں کی طرف جملہ انبیاء اور خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ہدایت اور دین ربانی کی دعوت واشاعت کے لئے مبعوث کی گئی ہے منصب نبوت ورسالت وخصائص نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اس امّت کو انبیاء علیہم السّلام کے مماثل ان فضائل و کمالات ، خصائل و مزایا سے سرفراز کیا گیا۔ جو مختص بالنبوۃ نہیں (چنانچہ اس مشابہت کی روایات کنز العمال وغیرہ نے نقل کی ہیں دیکھو ص ۲۲۴، ۲۳۹ ج ۶)

چنانچہ اس امت کو من حیث الامت صلاح شخصی، تربیت ذاتی و نفسی اور دعوتِ خلق و اصلاح بنی آدم کا وہ جامع و مانع نظام ہدایت و تربیت عطا فرمایا گیا، جو انبیاء علیہم السّلام کے طرقِ تربیت و دعوت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو حضرات فرد و جماعت کی صلاح و فلاح تربیت و ترقی کا بیک وقت کفیل ہوتا ہے ، حضرات انبیاء کا فریضہ منصبی دعوت و تبلیغ تھا۔ ان کی حیات اشاعتِ دین و ترویج احکام کی کوشش کا دوسرا نام ہے ؛ [illegible] اپنے وظائفِ زندگی کے ساتھ اپنے شخصی و نجی عبدیت و عبودیت والے ا[illegible] کے پابند رہتے تھے۔ گو امّت کے لئے ان کے یہ اعمال بھی دین کے قابلِ اتباع احکام کا حکم رکھتے تھے۔ بہر حال ان کی ناسوتی زندگی میں ان کی ترقیات خصائص نبوت ، وموہباتِ خاصہ کے علاوہ دعوت اور دینی جہد و محنت کے ساتھ وابستہ ہوتی تھیں ۔ اور دعوت کے پہلو بہ پہلو ان کی شخصی زندگی کے فرائض کی تکمیل ہوتی تھی ، اب جب کہ امتِ محمدیہ مرحومہ انبیاء علیہم السّلام کی نائب بن کر آئی ہے ، اسے بھی تربیت واصلاح کا ایسا دستور

بخشا گیا جس میں امت کے اجتماعی وانفرادی فرائض واعمال میں دوئی وغیریت نہیں رہی
بلکہ دونوں قسم کے احکام توام اور ایک دوسرے کے بیک وقت معین و مددگار ہیں
یہ اس لئے ضروری تھا۔ کہ امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل اور دعوت الی الخیر امر
بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے افراد کی
شخصی تربیت واصلاح، روحانی ترقی و معاشی ضروریات کا بھی سامان ہو سکے چنانچہ
امت مبعوثہ کو وہ طریقہ حیات عطا فرمایا گیا، جس میں وہ دعوت و تبلیغ کے فرائض
منصبی کو ادا کرتے ہوئے اپنے شخصی و ذاتی اعمال میں مشغول ہو، اور اجتماعی وانفرادی
کسی حیثیت میں دعوت و تبلیغ کو ثانوی درجہ نہ دے، اجتماعی حیثیت سے دعوت
کی اولیت و مقصودیت آیۃ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" پر غور کرنے سے اور انفرادی
حیثیت سے آیۃ :-

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (حٰمٓ السجدہ)	اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے۔ جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکمبردار ہوں،

پر تدبر سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس امت اور اس کے افراد کی تربیت
و ترقیات کا میدان ذاتی اعمال کی اصلاح کے ساتھ دعوت کی راہ میں جہد و محنت
کو قرار دیا گیا، اور یہ اس امت کا امتیاز خاصہ ہے۔ ورنہ امم سابقہ کے افراد کی محنتیں
اپنی ذاتی نجات کی ہی کوشش پر عموماً موقوف ہوتی تھیں، اور وہ اپنے ذاتی اعمال
کے بجا آوری کے بقدر ترقیات پر فائز ہوتے تھے، خیر الامم (جو اقوام عالم
کی طرف مبعوث ہے) کو پوری امت و انسانیت کی اصلاح و فلاح کا نصب العین و فکر
عطا فرما کر پوری انسانیت کی نجات کے لئے سعی و محنت کرنے والا بنایا گیا۔

ہ مسلمانی غم دردل خریدن
چوں سیماب از تپ یاراں تپیدن

ہ حضورِ ملت از خود در گذشتن
دگر بانگ اَنَا الملت کشیدن

اب اس امت کے افراد ذاتی اصلاح کی فکر و کوشش کے ساتھ جس قدر اخلاص و منہاج نبوی ﷺ کے مطابق دعوت الی اللہ اور دین کی اشاعت میں سرگرم ہوں گے۔ ان کے باطنی جواہر چمکیں گے۔ ملکات قدسیہ نکھریں گے۔ نصرت الٰہی اور فیوض نبویہ ﷺ سے مالا مال ہوں گے۔ اور ذاتی و ملی صلاح و اصلاح کی دو گونہ کوشش ان کے دینی و دنیوی درجات کو بلند کرے گی۔ غرض حکمتِ الٰہی نے امّتِ مسلمہ کی تربیت و اصلاح کا وہ طریقہ منتخب فرمایا، جو معاً اس کے شخصی و اجتماعی، ذاتی و ملی مقاصد کے پورا ہونے اور فرد و جماعت دونوں کی اصلاحِ تام پر حاوی ہے،

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ م يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ط أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ	ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں، اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحم کرے۔

کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے۔ (التوبہ ۹)

یہاں امت کے فریضۂ منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مقدم بیان فرماکر اس کے اعمالِ شخصیہ نماز زکوٰۃ اور اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مومنین اپنی ملی ذمہ داری کو اپنی ذاتی اصلاح والے اعمال کے ساتھ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کے فرائض منصبی سے غفلت ہو جائے۔ یا وہ اپنی ذاتی اصلاح میں کوتاہی برتنے لگیں، سورۃ العصر میں بھی انہیں لوگوں کو دائمی خسارہ و نقصان سے مامون قرار دیا ہے، جو ایمان و اعمالِ صالحہ (شخصی اعمال)، اور تواصی بالحق و تواصی بالصبر (اجتماعی اعمال) کے جامع ہیں۔

اس بنا پر پوری امت پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض قرار دیا۔ جیسا کہ نصوص کثیرہ سے ثابت ہے۔

امام رازیؒ و علامہ بغویؒ اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں،

ان اللہ اوجب الامر بالمعروف ونھی عن المنکر علی کل الامۃ فی قولہ تعالیٰ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (الی آخرہ)	اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر تمام امت پر اپنے قول کنتم خیر امۃ کے مطابق واجب قرار دیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد سوم ص۱۹
معالم التنزیل جلد اوّل ص۳۴۲)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من رائی منکم منکراً فلیغیرہ	تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے، اسے

بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان

(صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۱ معالم بغوی ج ۱ ص ۳۴۲)

ہاتھ سے بدلے (روک دے) اگر یہ طاقت نہ ہو، تو زبان سے منع کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل (کی ہمت و توجہ سے) اسے بدلنے اور دور کرنے کی کوشش کرے، اور یہ آخری بات ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

احمد و مسلم کی اسی قسم کی ایک اور روایت میں ہے۔

ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل

کنز العمال جلد دوم ص ۱۱۱ بروایت ابن مسعود رض)

جس نے ان برائی کرنے والوں سے سب سے آخری درجہ میں دل کی ہمت و توجہ سے) جہاد و محنت کی (کہ وہ برائی دور ہو جائے) تو وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا وجود یا درجہ نہیں

حافظ ابن کثیر رح نے اس حدیث سے امت کے ہر فرد پر اس کی طاقت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وجوب ثابت کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۰ ج ۱)

شخصی مسئولیت

اسی طرح ہر شخص کو اپنے اپنے دائرہ اقتدار میں اثر میں ذمہ دار و مسئول ٹھہرایا، کہ وہ اپنی پوری قوت و طاقت، اثر و رسوخ کے بقدر انہیں منہیات سے روکے گا۔ اور نیکی اور

اور احکام کی پابندی پر انہیں گامزن کرنے کی کوشش کرے گا، اور اپنی زیر نگرانی اشیاء کی حفاظت و استعمال احکام الٰہی کے مطابق ہوگا۔

مشہور حدیث ہے:-

قال صلی اللہ علیہ وسلم:	فرمایا، تم میں سے ہر شخص راعی
کلکم راع و مسئول عن	رکھوالا (یا نگہبان و ذمہ دار ہے) اور
رعیتہ فالامیر الذی	اس سے اس کی رعایا کے متعلق
علی الناس راع علیھم	سوال ہوگا، (کہ اس نے کہاں
وھو مسئول عنھم والرجل	تک انہیں احکام الٰہی کے پابند
راع علی اھل بیتہ وھو	بنانے کی اور برائیوں سے روکنے
مسئول عنھم والمرأۃ	کی کوشش کی) اور مرد اپنے
راعیۃ علی بیت بعلھا	اہل خانہ کا ذمہ دار ہے۔ اس
والعبد راع علی مال سیدہ	سے ان کے متعلق بازپرس ہوگی
وھو مسئول عنہ الا فکلکم	عورت اپنے خاوند اور اولاد کی
مسئول عن رعیتہ	نگران ہے اور اس سے ان کے متعلق
(صحیح بخاری عن ابن عمر ص۱۰۵۲ ج ۲)	پوچھ ہوگی، اور غلام اپنے آقا
	کے مال کا محافظ ہے اس سے اس
	کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس

یاد رکھو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے (دائرہ نفوذ و عمل) میں ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی متعلقہ رعیت کے متعلق سوال ہوگا۔

اس عمومی مسئولیت خاصہ کا یہ اصولی حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی انسانیت کو بتایا، اور اپنی امت کا اسے امتیاز قرار دیا، اپنی

اپنی اہل و متعلقین اور ماتحتوں کی ذمہ داری اور اعمال کی نگرانی کے اس اصول کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (التحریم - ۱)	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اہل (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (کہ انہیں نیکی کا پابند بناؤ اور برائی سے روکو۔

مفسرین نے "اہل" میں اہل قرابت اور دیگر ماتحت طبقہ کو بھی شامل کیا ہے گویا ہر مسلمان کو اپنے اپنے دائرہ میں خصوصی نگران و ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ کہ وہ برائی کے مٹانے اور خیر و بھلائی کے پھیلانے کے لئے حکمت و شائستگی سے اپنے پورے اختیار و قوت، اقتدار و رسوخ کو اپنے حلقہ اثر اور ماتحتوں میں استعمال کرے گا۔ اور عملاً انہیں نیک بنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا، اور جہاں تک اس کا دائرہ اختیار و قوت وسیع ہوتا جائے گا، وہ اپنی اسی کوشش کو پھیلاتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیا سے برائی کا نشان مٹ جائے

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے،

اس مسئولیت خاصہ اور اپنے اپنے حلقہ کی نگرانی کے علاوہ امت کے ہر فرد پر اس کے علم و استعداد اور استطاعت کے بقدر دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ دین کو بقدر ضرورت جانے اور اس کا علم حاصل کرے اور اسے دوسرے تک پہنچاتا رہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا تبلیغ کا شغف اور اپنے علم کو دوسرے تک پہنچانے کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا تھا۔ کہ آج ان کے واقعات سنکر حیرت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ، کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کی عمومی اشاعت سے احتیاطاً منع فرمادیا تھا (کہ لوگ اس کا مطلب غلط سمجھ کر عمل سے غافل نہ ہو جائیں)

"مامن عبد یشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبده و رسوله الا حرمه الله على النار"

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے موت کے وقت کتمانِ علم کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کردی۔

(صحیح مسلم جلد اوّل ص۴۶)

اسی طرح حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کی حدیث کی اشاعت نہیں کی تھی، مرض الموت میں روتے تھے، کہ ایک حدیث کی اشاعت نہ ہوسکی، آخر مرنے سے پیشتر بیان کر دی،

(صحیح مسلم جلد اول ص۴۳)

غرض متعلقین کی مسئولیت خصوصی، تبلیغ و دعوت، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اشاعت علم کو ہر کہ و مہ کے لئے لازم قرار دیا گیا، اور امت مبعوثہ کو اپنی منصبی ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے تعلیم و تعلم، تبلیغ و دعوت، نصرت دین ہجرت و نفر کے وہ احکام عطا فرمائے گئے جس پر اس امت اور اسلام کی سرسبزی و شادابی کا مدار ہے۔ (علامہ جصاص رازی رح نے احکام القرآن باب فرض النفیر و الجہاد میں ان مباحث پر قابلِ دید بحث کی ہے جس کی نقل کی گنجائش یہاں نہیں) قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی ان جملہ احکام و اعمال کے جاننے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہیں، اثناءً اشارۃً عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ مکی زندگی میں عموماً صحابہ کرام رض انفرادی طور پر اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں مشغول تھے۔ اور اس کے لئے ہر طرح کے مصائب و آلام کو سہہ

رہے تھے، ہجرت کے بعد صحابہ رضؓ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے دین کے داعی و سپاہی، معلم و متعلم راہِ ہدایت کے رہنما و سپاہی تھے، ایک طرف ان کی جماعتیں بے طلبیوں میں دین کی طلب و شوق اور کفار میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہی تھیں تو دوسری طرف ان کے افراد و وفود دین سیکھنے اور سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ بقول حافظ ابن حجر رحؒ فتح مکہ کے بعد یہ حالت ہو گئی تھی،

أن مكة لما فتحت بادرت	فتح مکہ کے بعد تمام عرب نے اسلام
العرب باسلامهم فكان	کی طرف نہایت تیزی سے قدم بڑھایا
كل قبيلة ترسل كبرارها	ہر قبیلہ اپنے سرداروں کو بھیجتا
ليسلموا ويتعلموا ويرجعوا الى	تھا، کہ جاکر اسلام لائیں۔ اور علم
قومهم فيدعوهم الى	حاصل کرکے لوٹیں، اور پھر انہیں
الاسلام ويعلموهم	اسلام کی دعوت دیں، اور دینی تعلیم
(فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۵۲)	سے روشناس کریں۔

مسجد نبوی ہی بلکہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم والارشاد بن چکا تھا جس کا امی معلم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قدسیوں کی جماعت کے ساتھ شب و روز دین کی دعوت و اشاعت، تعلیم و تعلم، تزکیہ و تذکیر میں مشغول تھا، مسجد نبوی ہر وقت تبلیغ وارشاد کی مجلسوں، علم و ذکر کے حلقوں اور دین کی اشاعت کی سرگرمیوں، بیرونی وفود کی آمد، اور تبلیغی وفود کی رخصتی اور جہد و جہاد کے چرچوں سے آباد تھی غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مبعوثہ کی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور امت ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے لئے ہر وقت تیار تھی،
چنانچہ خیر الامم کے اس پہلے طبقہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے اپنے شخصی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اپنے فرائض ملی کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ زمانہ انگشت بدنداں

اور انسانیت آئینہ حیرت تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عالی شان اور بے نظیر کارنامہ پوری امت کے لئے نمونہ، دلیل اور روشنی کا مینار ہے۔

امت کے دو گروہ

غرض پوری امت کو دینی ذمہ داریوں سے گرانبار کیا گیا، دعوت و تبلیغ کا مقصد وفکر اور پوری انسانیت کی اصلاح کا درد عطا فرمایا گیا، اور من حیث الامۃ نبوت کی نیابت کی ذمہ داری کا تاج اس کے سر پہ رکھا گیا، تاہم اسلام ایک فطری اور عملی دین ہے، وہ خوش کن نظریہ نہیں، اس وجہ سے تقسیم کار کے اصول کے پیش نظر امت میں سے ایک جماعت کو خالص اور کلیتہً اسی کام کے لئے چن لیا گیا جس کا کام اور مقصد اور مشغلہ زندگی ہی تعلیم و تعلّم، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہوگا۔ وہ دگر مشاغل دنیوی میں مصروف نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی زندگی نیابتِ نبوت اور پیمبرانہ وظائف کی تبعاً بجاآوری کے لئے وقف ہوگی، وہ دین کے علوم میں مہارت تامہ، تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے میں پوری محنت ومشقت وکوشش کریں گے۔ اور حصول علم کے بعد اس علم کو عام کرنے، اور دعوتِ حق میں ہمہ تن وہمہ وقت لوجہ اللہ مصروف ہوں گے۔ جیساکہ مندرجہ ذیل آیتوں کا منشاء ومقصود ہے۔

(دیکھئے بیضاوی جلد سوم ص۳۰، ابن کثیر جلد اوّل ص۳۲، بحر المحیط جلد سوم ص۲۰ وتفسیر کبیر جلد چہارم ص۱۶۶)

(۱) علماء اور داعیانِ حق کا طبقہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	اور ہو تم میں ایک ایسی جماعت جو خیر
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	ہی کی طرف بلاتی رہا کرے، نیکی کا حکم

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	کرتی رہے اور برائی سے روکتی رہے یہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے
(آل عمران — ۱۱)	
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ	اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ سب کے سب (تحصیل علم یا جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں، یہ کیوں نہ ہو، کہ ہر گروہ میں سے ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ ڈرسناویں اپنی قوم کو جب ان کے پاس آویں، تاکہ وہ قوم (منہیات الٰہی اور جہل سے بچے) (اور احتیاط رکھے)
(التوبہ — ۱۵)	

پچھلی آیت کے ذیل میں امام رازی رح لکھتے ہیں :-

دلت الاٰیۃ علی ان یجب ان یکون المقصود من التفقہ والتعلم دعوۃ الخلق الی الحق وارشادھم الی الدین القویم وصراط المستقیم لان الاٰیۃ تدل علی انہ تعالی امرھم بالتفقہ فی الدین لاجل انھم	آیت وجوب پر اس طرح دلالت کرتی ہے، کہ تفقہ اور تعلم سے مقصود مخلوق کی طرف بلانا ہو۔ اور ان کی دین قویم اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہو، کہ آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تفقہ فی الدین کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جب

اذا رجعوا الى قومهم انذروهم بالدين و اولئك يحذرون الجهل والمعصية ويرغبون في قبول الدين فكل من تفقه وتعلم لهذا الغرض كان على النهج القويم والصراط المستقيم (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۲۱)	وہ اپنی قوم کی طرف لوٹیں تو انہیں دینِ حق سے چوکنا کریں، اور وہ قوم جہل اور معصیت سے اس ڈرانے سے بچ جائے اور اس میں دین کے قبول کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے، پس جس شخص نے اسی غرض سے تفقہ اور علم حاصل کیا وہ صحیح اور سیدھے راستے پر ہے

قاضی بیضاوی رح نے بھی اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔

(بیضاوی جلد دوم ص۳)

یہ طبقہ علمائے امت، داعیان حق، اور مجاہدین فی اللہ کا ہے۔ جو اصلاً انبیاء کے وارث ہیں۔ العلماء ورثۃ الانبیاء حدیث صحیح ہے:۔

علامہ ابن قیم رح نے الوابل الصیب میں لکھا ہے:۔

علماء کا وہی طبقہ رسولوں کا حقیقی وارث اور انبیاء کا خلیفہ ہے۔ جو دین کو علماً وعملاً سنبھالنے والا۔ اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت کو دینے والا ہے۔

(الوابل الصیب ص۷۹)

ظاہر ہے، خاصانِ خدا کا یہ گروہ اپنی دینی خدمات وسرگرمیوں کی وجہ سے طلبِ معاش کے دھندوں میں سرگرداں نہیں ہوسکتا، وہ انبیاء واصحاب صفہ رض کی سنت کے مطابق توکلاً علی اللہ بغیر کسی اشراف وسوال کے حسبۃ اللہ خدماتِ

دینی میں مصروف رہے گا، اور حقیقتاً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے رزق کا سامان بہم پہنچائے گا، اور عالم اسباب میں ملت کے دیگر افراد کے ذمہ ان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی ہو گی، اصحاب صفہ کے متعلق آتا ہے:۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ (البقرہ ۔ ۲۷۳)	خیرات ان ناداروں کے واسطے ہے۔ جو بند کئے گئے ہیں، بیچ راہ اللہ کے زمین میں چل نہیں سکتے جانتا ہے ان کو جاہل دولت مند ان کے سوال نہ کرنے سے پہچانتا ہے تو ان کو ان کے چہروں سے نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر

مفسرین نے " لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ " کی تفسیر میں تصریح کی ہے۔ کہ یہ اصحاب صفہ (رضی اللہ عنہم) کا گروہ ہے، جو قرآن کی تعلیم وتعلم میں مشغول رہتا تھا اور ہر جہاد وسریہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا کرتا تھا (یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]) تجارت، طلب معاش اور کسب کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا تھا (لا یتفرغون للتجارۃ وطلب المعاش والکسب۔) (ابن کثیر ص ۳۲۱ ج ۱)

علامہ ابن قیمؒ نے احصروا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اصل الحصر المنع ، فمنعوا انفسھم من تصرفھا فی اشغال الدنیا۔ وحصروھا علی بذلھا للہ و فی سبیلہ[2]

یعنی الحصر کا اصلی معنی روکنا ہے، یعنی ان لوگوں نے اپنے نفسوں کو دنیاوی

---

[1] تفسیر خازن ومعالم التنزیل ج ۱ ص ۲۲۱ [2] التفسیر القیم ص ۱۷۱

اشغال میں مصروف کرنے سے روک دیا ہے۔ اور اسے صرف اللہ اور
اس کے راستے (یعنی خدمات) دینی میں صرف کرنے کے لئے خاص کرلیا
ہے،

مراد یہ ہے کہ علماء کا طبقہ ہر دنیاوی شغل سے بے نیاز ہو کر ہمہ وقت تعلیم و تعلم دعوت و ارشاد، تفقہ و تبلیغ اور دگر خدمات دینی میں مصروف رہے۔ تاکہ پوری امت کی طرف سے دینی ذمہ داری اور اس کے فریضہ منصبی کی ادائیگی کا حق پورا ہوتا رہے، گویا عام اصطلاح میں فراغت کے ساتھ علم و دعوت کے لئے وقف ہو جانا فرض کفایہ ہے، جو اگر امت کا ایک طبقہ اس طرح ادا کرتا رہے، کہ ضروریات دینی کا حق ادا ہوتا رہے تو باقی امت ذمہ داری اور گناہ سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ ورنہ سب گناہگار ہوتے ہیں، بہرحال علماء اور داعین حق کا یہ گروہ اسلامی نظام دعوت و ہدایت کا مرکزی نکتہ و محور ہے، یا یوں کہیئے کہ امت کا دل و دماغ ہے۔ جو پوری امت کی شریانوں میں ہدایت کا خون پہنچاتا ہے۔ اور اسے علوم دینیہ سے بہرہ اندوز کرتا رہتا ہے۔ امت کے عالمی تقاضوں کے بقدر، اس گروہ کا وجود ضروری ہے بقول شخصے۔

" کروڑوں کو سنبھالنے کیلئے لاکھوں تو ہوں "

تاکہ امت اجابت کی داخلی تربیت و اصلاح تزکیہ و تعلیم کا کماحقہ بند و بست ہو سکے اور امت دعوت میں تبلیغ اور اشاعت دین کی جملہ ممکنہ صورتیں بروئے کار آسکیں یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ اسلام میں علماء کا طبقہ کوئی موروثی اور نسلی گروہ نہیں، بلکہ امت کا ہر فرد اپنی محنت و قربانی سے یہ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

عامۃ المسلمین کا طبقہ

خواص کے اس طبقہ کے علاوہ دوسرا طبقہ عامۃ المسلمین کا ہے، جو اپنی معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے کلیتاً دین کے لئے فارغ نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے، کہ امت کی انتہائی اکثریت اسی طبقہ میں ہو گی، جن کا اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہنا معاشی و رفاہی تقاضوں کی بنا پر ضروری ہو گا لیکن اسلام میں نری دنیا داری کا کوئی تصوّر نہیں، اس بنا پر اس طبقہ پر بھی فرض ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اپنی اصلاح سے ایک لمحہ غافل نہ ہو، ذاتی و شخصی، دینی و معاشی تقاضوں کا ضروری علم و احکام اور طریقہ سنت کو سیکھتا اور معلوم کرتا رہے، کہ

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم (ضروری) علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(کنز العمال صفحہ ۲۰۴ ج ۵)

اپنے علم پر عمل کرے، اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہوئے اپنے علم کے بقدر دین کی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے۔ اس بارے میں نصوص کثرت سے وارد ہیں، نمونۃً کچھ اوپر گزر چکی ہیں۔ اسی طرح اپنی مسئولیت خاصہ اور ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے اہل و عیال، تابعین۔ ماتحتوں کو منکرات سے روکے اور نیکیوں کی ہدایت کرے ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی فکر و کوشش اور ان کے معاملات و معاشرت کی درستگی کے لئے اثر و رسوخ، اقتدار و اختیار، پوری ہمت و قوت سے استعمال میں لائے، تاکہ اس کے دائرہ اثر میں نیکیاں پھیلیں اور برائیوں کا انسداد ہو، مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا، رہنما کی اتباع اپنے منصب ملی کی ادائیگی اور اپنی اصلاح کی نیت سے قریب و بعید جیسے بھی حالات و ظروف اجازت دیتے ہوں

وفود کی شکل میں یا انفرادی طور پر منہاجِ نبوت کے مطابق دعوت کے لئے " خروج ونفر " نصرت دینی وعرضِ " کی پیمبرانہ سنت کو پورا کرتا رہے۔ کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) انفرادی اور وفود کی شکل میں تبلیغ دین اور فروغِ ہدایت کے لئے نزدیک و دور باقاعدہ اور ہمیشہ نکلتے رہے ہیں۔ جیساکہ اہل علم سے مخفی نہیں لیکن اس کے آداب وشرائط ہیں جو اہل علم اور داعیانِ حق سے علماً وعملاً معلوم ہوسکتے ہیں۔ دین کے علم اور دعوت کے اصول ومبادی تعلیم یا صحبت کے ذریعے سیکھے بغیر ہر دینی کوشش لغزشِ پا کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے ایسی کسی تحریک وکوشش سے پیشتر ایک مرتبہ چار، چھ مہینہ تبلیغ ودعوت کے تجربہ کاروں اور خواص کے ساتھ گزار کر ان کی صحبت میں دعوت کی علماً وعملاً مشق کرلینی بہت ضروری ہے، تاکہ آئندہ اپنے علم وفہم کے مطابق صحیح رُخ سے دین کی اپنی استعداد کے بقدر خدمت انجام دے سکے۔ عامۃ الناس کا یہ طبقہ دینی فرائض واعمال، ملی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بَری اور فارغ نہیں قرار دیا جاسکتا، پہلا طبقہ اصل ہے اور یہ طبقہ اس کے اعضاء وجوارح کی حیثیت سے اپنی استعداد کے بقدر ان کی رہنمائی میں شخصی اصلاح اور دینی خدمات، امر بالمعروف نہی عن المنکر، دعوت الی اللہ کے فرائض اپنی بساط کے مطابق انجام دیتا رہے گا، جیساکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔

پہلا طبقہ کلیتہً خدمتِ دین کے لئے فارغ ہوگا۔ اور یہ طبقہ اپنی معاشی اور کاروباری مصروفیات میں احکام شریعت کے مطابق مصروف رہتے ہوئے اپنے اپنے دائرہ میں اپنے علم واستعداد اور صلاحیت کے بقدر دعوت واقامت ونصرت دین کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہے گا۔

علامہ ابنِ کثیر رحؒ نے ان دونوں طبقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے " ولتکن منکم امۃ " کی تفسیر میں لکھا ہے۔

يقول الله تعالى منكم امة منتصبة	الله تعالیٰ کہتا ہے، تم میں سے ایک
للقيام بامر الله تعالى في	گروہ اللہ تعالیٰ کے دعوت الی الخیر،
الدعوة الى الخير والامر با	امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے
لمعروف والنهي عن المنكر و	حکم کی اقامت کے لئے بالکلیہ کھڑے
اولئك هم المفلحون، قال الضحاك	ہونے والا ہو اور وہی فلاح
هم خاصة الصحابة وخاصة	پانے والا گروہ ہوگا۔ ضحاک رہ
الرواة يعني المجاهدين و	کا قول ہے۔ یہ خاص صحابہ رضؓ اور
العلماء والمقصود من هذا	خاص راویوں یعنی مجاہدین و علماء کا گروہ
الاية ان تكون فرقة من	ہے۔ اور اس آیت سے مقصود یہ ہے
هذه الامة متصدية لهذا	کہ اس امت کا ایک طبقہ بس اسی کام
الشان وان كان ذالك وا	کا ہو رہے۔ گو کہ یہ فرائض امت کے
جبا على كل فرد من الامة	ہر ہر فرد پر اس کی استعداد کے بقدر فرض
بحسبه۔	ہے۔ علماء امت پر

(تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۹۰ جلد ۱)

دونوں طبقات کی دینی ذمہ داریاں

غرض علماء امت پر اصلاً اور عامۃ المسلمین پر تبعاً علم دین کا حصول، اس پر عمل اور اس کی دعوت اپنے اپنے مقام پر اور علم کے مطابق لازم ہے۔ ہم نے امت کے ان دو طبقات کے متعلق جو عرض کیا، امام غزالیؒ کی ایک تحریر سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی

اعلم ان كل قاعد في بيته اينما	یہ بات سمجھ لو کہ اس زمانے میں جو شخص
كان فليس خاليا في هذا الزمان	جہاں بھی گھر بیٹھا ہوا ہے، لوگوں کو ارشاد

عن منكر من حيث التقاعد
عن ارشاد الناس وتعليمهم وحملهم
على المعروف فاكثر الناس جاهلون
بالشرع في شروط الصلوٰة
في البلاد . فكيف في القرى
والبوادي ومنهم الاعراب
والاكراد والتركمانية
وسائر اصناف الخلق وواجب
ان يكون في كل مسجد
ومحلة من البلد فقيه يعلم
الناس دينهم وكذا في كل
قرية وواجب على كل فقيه فرغ
من فرض عينه وتفرغ
لفرض الكفاية ان يخرج الى
من يجاور بلده من اهل
السواد ويعلمهم وفرائض
شرعهم ....
اما العالم فلتقصيره في
الخروج واما الجاهل فلتقصيره
في ترك التعلم وكل عامي عرف
شروط الصلوٰة فعليه ان يعرف

و تعلیم اور نیکی پر آمادہ کرنے سے قاصر
رہنے کی بنا پر گنہگار ہے، حالت یہ
ہے کہ اکثر لوگ شہروں تک میں نماز کی شرعی
شرائط سے جاہل ہیں. پس اسی سے
اندازہ لگائیے کہ دیہات اور صحراؤں اور
بدوی، کرد، ترکمان. اور دیگر انسانی
طبقات کا کیا حال ہوگا. شہر کی ہر مسجد
و محلہ میں ایک فقیہ (یا عالم) کا ہونا
واجب ہے. جو لوگوں کو دین کی تعلیم
دیتا رہے. اسی طرح ہر گاؤں میں
بھی ایک عالم کا ہونا واجب ہے. اور
جو عالم بھی اپنے فرض عین سے فارغ
اور فرضِ کفایہ کے لئے فرصت رکھتا
ہو اس پر واجب ہے، کہ اپنے شہر
کے آس پاس کے بستیوں میں جا جا کر
لوگوں کو دین کی باتوں اور شریعت کے
فرائض کی تعلیم دیتا رہے. اس
بارے میں عالم کا قصور (ارشاد و
تعلیم) کے لئے نہ نکلنا ہے اور
عامی کا قصور علم نہ حاصل کرنا ہے اور یہ
وہ عامی جو نماز کی شرائط کو جانتا ہو اس پر

غیرہ والا فهو شريك في
الاثم ومعلوم ان الانسان
لا يولد عالماً بالشرع
وانما التبليغ على اهل العلم
فكل من تعلم مسئلة
واحدة فهو من اهل العلم
بها، ولعمري الاثم على
الفقهاء اشد لان قدرتهم
فيه اظهر وهو بصناعتهم
اليق لان المحترفين لو
تركوا حرفتهم لبطلت
المعاش فهم قد تقلدوا امرا
لا بد منه في صلاح الخلق
وشان الفقيه وحرفته
تبليغ ما بلغه عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم
فان العلماء هم ورثة الانبياء

احیاء العلوم جلد ۲ ص ۲۳۶ و ۲۳۷

لازم ہے کہ وہ دوسرے کو بتائے
ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا
اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان شریعت
کا عالم پیدا نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ
اہل علم پر واجب ہے۔ اور جس نے
ایک مسئلہ بھی سیکھا ہے، وہ اس مسئلہ
کا عالم ہے اور فقہاء (علماء) عدم تبلیغ
پر بہت زیادہ گناہگار ہوتے ہیں۔ کیونکہ
وہ اس کام کی زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔
اور اسے بہت اچھی طرح انجام دے
سکتے ہیں دوسرے کاروباری لوگ
اگر بالکلیہ اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ
کر اس میں لگ جائیں تو معاشی ابتری
پھیل جائے جو انہوں نے اپنی ذمہ
لی ہے اور وہ مخلوق کی معاشی درستی
کے لئے ناگزیر ہے (اس کے برعکس)
عالم یا فقیہ کی تو خاص شان اور
پیشہ ہی یہی ہے۔ کہ جو کچھ اسے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچا ہے
اسے دوسروں تک پہونچاتا رہے۔ کہ
(یہی وہ کام ہے) جس کی وجہ سے

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

ولا یسقط الحرج مادام یبقی علی وجہ الارض جاھل بفرض من فرض دینہ وھو قادر علی ان یسعی الیہ بنفسہ اولغیرہ فیعلمہ فرضہ ...... الخ ولا یتقدم علی ھذا الارض عین او فرض کفایۃ ھوا ھم منہ (احیاء العلوم جلد ۲ ص ۳۳۶، ۳۳۷)	اور جب تک روئے زمین پر ایک انسان بھی کسی ایک دینی فرض سے جاہل رہے گا۔ اور عالم کو قدرت ہوگی کہ خود جاکر یا دوسروں کے ذریعہ اس کو بتلائے تب تک وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ قرار پائے گا۔ اس کام کی ذمہ داری سے تب ہی سبکدوشی ہوسکتی ہے جب اس کام سے بڑھ کر کسی فرض عین یا اہم واقدم فرض کفایہ میں مشغول ہو۔

موجودہ دور میں ہر دو طبقات کیا کر سکتے ہیں

آج بھی ان دونوں طبقات کی ہمت و جرأت، اور محنت و کوشش دین کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہے۔

۱:- بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت عالم اسلام میں علماء و مشائخ کی اتنی تعداد موجود ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہونے کے لحاظ سے صرف طالبین ہی کو علم و مسائل سے آگاہ نہ کریں۔ بلکہ بے طلبوں، ناواقفوں، اور بے دین طبقہ میں بھی طرز نبوت کے مطابق دعوت و تبلیغ کے فرائض ترتیب و تنظیم، حکمت و شفقت، درد و فکر سے انجام دیں۔ تو پورے عالم میں روحانی انقلاب کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے

اس کے لئے بے مزد جذبہ للہ لا اسئلکم علیہ اجراً ان اجری الا علی اللہ کے اجاعی نبوی جذبہ کے ساتھ دین کے داعیانہ جذبہ اور مبلغانہ عزم وہمت بحمد اللہ آج معلمانہ اور مشیخیت کا رخ تو باقی ہے لیکن داعیانہ اور مبلغانہ عزم وہمت شاذ ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے مدارس اور خانقاہیں، طلباء میں تعلیم و تربیت کے ساتھ دعوتی ولیہ کے احیاء کی بھی کوشش کریں۔ کہ علماء کا اتفاق ہے کہ علم کا مقصد اپنے عمل کے علاوہ تبلیغ وارشاد ہے۔ اس کے لئے طلباء کی ذہنی تربیت اور انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور داعیانِ حق کے دعوتی کارناموں اور مبلغانہ زندگی کا بغور مطالعہ ضروری ہوگا۔

مزید برآں انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت وطرزِ تبلیغ وارشاد کا علم وعمل لازم ہوگا۔ ضرورت ہے کہ شروع ہی سے طلبہ میں جہد ومشقت اور دعوت کے عملی پہلو کو زندہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں انفرادی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور دورِ نبوی اور عصرِ صحابہ رض کی طرح جماعتیں بنا بنا کر گرد ونواح میں دعوت وتبلیغ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں بھیجی جائیں۔ کہ نبوی دعوت کا ایک اہم اصول عرض ونفر تھا، بے طلبوں اور ناواقفوں میں جب یہ طبقہ دین کی بات پہنچائے گا۔ تو اس کے یقیناً دو فائدے مرتب ہوں گے۔ ایک تو ان کی اپنی دعوتی مشق ہوگی، وہ عوام کے مسائل ان کے دینی تقاضوں سے واقف اور تبلیغ کے عملی پہلو سے آگاہ ہوں گے۔ دوسری طرف عامۃ الناس میں دینی شعور پیدا ہوگا علماء وطلبہ سے ان کا ربطہ قائم ہوگا۔ اور اسلامی تقاضوں سے آشنا ہو کر دینی زندگی کے گزارنے والے بنیں گے۔ غالباً یہ کہنا بے محل نہ ہوگا، کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا طرزِ دعوت یہی ارشاد و واعظ کا طریقہ اور بے طلبوں میں جاکر دین کی بات پہنچانا تھا۔ اس سنت کی ادائیگی سے نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہدایت

سے ہمکنار ہوجائیں گے۔ یہ بات ضروری ہے کہ عمومی دعوت میں مختلف فیہ اور نزاعی مسائل کو نہ چھیڑا جائے۔ بلکہ متفق علیہ باتوں اور بنیادی امور پر اکتفا کیا جائے، اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت کا تتبع و اتباع ہر قدم پر ضروری ہے۔

۲۔ عامۃ الناس کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ طبقہ کو دین سے آشنا کرنے کے لئے ایک اہم تقاضا مسجد کے مرکزی و تربیتی نظام کا احیاء ہے عصر سعادت میں مسجد ہی ہمارا اجتماعی دینی مرکز تھا۔ جہاں علم و ذکر کے حلقے، دعوت و تبلیغ کی مجالس، عبادت و عبودیت کی فضائیں امت کی ذہنی و فکری، علمی و عملی تربیت کی کفیل ہوتی تھیں، ہر مسجد بیک وقت مدرسہ بھی تھی، خانقاہ بھی تھی۔ دار التربیۃ بھی تھی۔ دار الدعوۃ بھی تھی۔ ضرورت ہے کہ مسجدوں میں ہمارا اہل فکر طبقہ تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ کا نظم کرے، جو جاننے والے ہیں۔ وہ ناواقفوں کو سکھائیں، جو ناواقف ہیں، وہ اہل علم سے استفادہ کریں، جو مسجد میں نہیں آتے انہیں ترغیب و تشویش سے مساجد میں لایا جائے۔ دین کی اہمیت عبادات کا وزن، اعمال کی قیمت، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات، کی صفائی معاشرت کی درستگی بتائی جائے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تقاضوں، دعوت و تبلیغ اور امت کے فریضۂ منصبی کی ادائیگی کے لئے ایثار و قربانی معاشرہ کی اصلاح اور امت کی فلاح کے لئے متفکر کیا جائے۔ ہر مسجد اپنے محلہ اور پھر قرب و جوار کے علاقے میں دعوت و تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہی ہو۔

غرض مسلمان بننے اور بنانے کے جو شرعی حکیمانہ و معقول طریقے ہوں ان کے سمجھنے سمجھانے اور عام کرنے اور اسے وظیفہ زندگی بنانے کے لئے

پوری سعی کی جائے۔ تاکہ امت پھر سے اپنے کو پہچانے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و
وسلم کے اعمال و دعوت کو اپنا کر حیاتِ تازہ سے سرفراز ہو۔

کیا قیامت ہے کہ وہ داعی امت جو اس قدر عظیم ذمہ داریوں سے گرانبار ہے
اپنے مقصد کو بھلا کر اپنے فرائض منصبی و وظائف ملی سے غافل ہو کر دنیا کے سفلی
تقاضوں میں ایسی الجھی کہ داعی کے بجائے مدعو اور امام و متبوع سے تابع
اور مقتدی بن کر رہ گئی ہے

رو رہی ہے آج ٹوٹی ہوئی مینا سے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

موجودہ دینی انحطاط اور اس کا بڑا سبب

موجودہ دور میں ملتِ اسلامیہ پورے عالم میں جس دینی انحطاط و اضمحلال
کا شکار ہے۔ اس کی مثال پوری تاریخ اسلامی میں نہیں ملتی ہے

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی!

امت جب زندہ تھی۔ اور اپنے فرائض منصبی دعوت الی اللہ، امر بالمعروف
نہی عن المنکر اور ہدایت رسانی خلق کی ادائیگی میں مصروف و مشغول تھی۔ دیگر اقوام و ملل،
اسلام کی حقانیت اور داعیانِ حق کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر جوق در جوق اور
گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتی تھیں، اور "یدخلون فی دین
اللہ افواجا" کا منظر پیش کرتی تھیں۔ ان کا تازہ خون امت کی رگوں
میں دوڑتا تھا۔ اور یہ لافانی اور جاودانی امت حیاتِ تازہ پاتی تھی بارہا سیاسی
فاتحین کو امت کے داعیانہ مزاج اور تبلیغی جدوجہد اور روحانی تصرفات

ومزایا نے مفتوح اور دین کا خادم بنادیا جس کی سب سے نمایاں اور مشہور مثال تاتاری ومنگول ہیں، جو دولِ اسلامیہ اور خلافتِ عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے کچھ عرصہ بعد اسلام کے داعیانہ اثر سے مسلمان ہوتے ہیں۔ اور ترکانِ عثمانی اور ترکانِ تیموری کے نام سے پانچ سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا پرچم بلند رکھتے ہیں۔

جب سے امت کا دعوتی اور ملی شیرازہ بکھرا، اور امت اپنے منصب اور اس سے پیدا شدہ تقاضوں اور مسائل کو بھلا بیٹھی۔ اور اپنے آپ کو دنیا کی عام اقوام کی طرح ایک قوم سمجھنے لگی۔ اس کے شاہوں اور حکمرانوں نے تاج وباج و خراج کو مقصود گردانا، علماء ومشائخ نے عزلت نشینی اور مخصوص حلقوں میں تعلیم اور طالبین کی اصلاح پر اکتفا کر لی۔ عام امت نے غفلت و قعود کو شعار بنالیا، امت بانجھ ہو گئی۔ اقوام کا داخلہ اسلام میں من حیث الجماعۃ بند ہو گیا۔ بلکہ پوری امت پر مردنی چھا گئی، مسلمان بے یقینی، عقائد میں تزلزل اور کردار واعمال کی خرابی کا شکار ہو گئے۔ کہ امت کا نفسِ ناطقہ، اس کا ایمانی شعور، اس کا دینی ذمہ داری کا احساس اور اس کا داعیانہ خاصہ تھا جس کی پژمردگی نے اس باغ کو مرجھا کر رکھ دیا ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آہ! سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش
او سرافیل است و صور او خموش

امت کی اس غفلت و کوتاہی اور فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورا عالم اسلامی قیادت وامامت الٰہی رہنمائی اور نبوی تعلیمات سے محروم ہو گیا، اور انسان کی

عقلی و ذہنی، روحانی و مادی قیادت، خدا ناآشنا، آخرت فراموش روح ناشناس، بے یقین، مردہ دل، دنیا طلب، مادہ پرست مغربی اقوام کے ہاتھ آگئی۔

ع

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

اور پورا عالم دینی ہدایات و برکات کے نور و اثرات سے خالی اور مادیت اور خدا فراموشی کی ظلمت سے شب تاریک بن کر رہ گیا۔

امت کا سب سے اہم واقدم مسئلہ

اس وقت امت کے لئے سب سے اقدم واہم مسئلہ اس کے دینی شعور داعیانہ مزاج، تبلیغی حاسہ، ایمانی حمیت و غیرت، اسلامی فکر اور مغیبات حقہ پر یقین کے احیاء کا ہے۔ تاکہ پھر سے مسلمانوں میں امت مبعوثہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی اور مفوضہ وظائف کی ادائیگی کا داعیہ و تقاضا زندہ و بیدار ہو اور صحابہ رض کی طرح امت ایمان و یقین، اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے مزین ہو کر نیابت نبوت اور ہدایت رسانی خلق کی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اگر امت دعوت الی الخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ تو اس کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امتیازی حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس بارے میں قول فیصل ہے۔ آپ نے چند "دعاۃ" کو حج کے موقع پر دیکھا۔ آپ نے آیت کنتم خیر اُمّۃٍ اخرجت للناس پڑھی اور ارشاد فرمایا

من سرّہ ان یکون من ھذہ الامۃ فلیؤد شرط اللہ فیھا	یعنی جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس خیر الامم میں سے ہو تو اسے اس کی شرائط کو پورا کرنا چاہیئے

یعنی اسے امر بالمعروف نہی عن المنکر و ایمان باللہ کی صفات سے متصف ہونا چاہئے۔ غور کیجئے جب سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو کہا جاتا ہے۔

یٰایھا الرسول بلغ ما انزل الیک	اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے
من ربک وان لم تفعل فما	رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو
بلغت رسالتہ	نے کچھ نہ پہنچایا، اس کا پیغام
(المائدہ)	(رسالت)

گویا تبلیغ و رسالت، کو مرادف قرار دیا، اگر امت محمدیہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گی، تو یقیناً اس غفلت پر اپنی خاص حیثیت کھو دے گی اور نصرت الٰہی، سرفرازی و فلاح کے ان وعدوں سے محروم ہو جائے گی، جو اس منصب کی وجہ سے اس کے ساتھ کئے گئے تھے۔

آج امت کے نظریۂ اساسی میں جو عموماً بگاڑ آگیا ہے۔ اور آپ نے مقصد حیات کو بھول چکی ہے۔ اس کی احیاء کے لئے پھر سے امت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ دعوت و تربیت اور نظام صلاح و فلاح کو اپنانا ہوگا جس کے کچھ اجمالی اشارے گذر چکے ہیں۔ کہ مزاج و طریقۂ نبوت قوام ملت ہے۔ کتاب اللہ نہ صرف کتب ہدایت سے بلکہ صحیفہ نظام ہدایت اور طریقۂ دعوت بھی ہے۔ قرآن نہ صرف دعوت ہے، بلکہ طرز دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اس طرح اسوہ نبویہ م نہ صرف امت کے لئے نمونہ ہدایت ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تاقیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل احسن و اعلیٰ اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔ امت آج جس بے یقینی، غفلت غلط روی۔ اور بے عملی بلکہ بدعملی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کا علاج اپنی اصلاح کے ساتھ دعوت و تبلیغ احیاء دین کے لئے جد و جہاد، محنت و کوشش، ایثار و قربانی کے وہی عزائم و اعمال میں جن کا نقش حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رہنمائی میں صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم نے ابتداء سے اسلام میں عالم پر مرتسم کیا ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی کی دلیل

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

امت اگر زندگی چاہتی ہے۔ تو اسے پھر سے اسی داعیانہ جذبہ کو ہر قربانی کے باوجود زندہ کرنا ہوگا، حالات حاضرہ پر قناعت موت ہے

تاکجا بے غیرت دین زیستن

اے مسلمان مردن است ایں زیستن

اسے کہ می نازی بہ قرآن عظیم

تاکجا در حجرہ می باشی مقیم

در جہاں اسرار دیں را فاش کن

نکتہ شرع مبین را فاش کن

امت کا سواد اعظم، جہالت، غفلت، دینی تعلیم سے محرومی، نئی تعلیم یا دیگر عوامل کی بنا پر دین سے بیگانہ ہوتا جارہا ہے۔ اور جس طرح امت اپنی معاشرت وتمدن تہذیب وشعائر سے دور ہوتی جا رہی ہے، اور جس طرح اسلامی اخلاق ومعاملات مٹ رہے ہیں۔ عبادات تک میں بے اعتنائی عام ہوچکی ہے۔ امہات عقائد تک میں تزلزل آگیا ہے۔ اور جس طرح دنیا طلبی دین سے بے رغبتی، الحاد ودہریت غفلت و بدعملی امت پر اپنا سایہ ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اگر امت پر اپنا کمال چابک دستی، سبک رفتاری، بلند ہمتی، عزم راسخ سے اپنی جملہ استعدادوں، توانائیوں ظاہری وباطنی مادی و روحانی قوتوں کو حفاظت دین اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت وتبلیغ، افراد امت کی شخصی واجتماعی اصلاح کی طرف مرکوز نہ کیا تو خاکم بدہن اندیشہ ہے، کہ العیاذ باللہ

اسلام کی نام لیوا موجودہ امت مٹا کر نہ رکھدی جائے اور یہ امانت دوسروں کے سپرد کردی جائے

(اللہم احفظنا)